زندگی کیسے گزاریں؟

مؤلف

سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مؤلف (سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان)

تصدیق نامہ

کتابِ ھٰذا ''زندگی کیسے گزاریں؟'' میں مؤلف نے ایک طرف تو معاشرے میں دین کے حوالے سے جو کمی، کوتاہی محسوس کی، اس کی مختصراً نشاندہی فرمادی جبکہ دوسری جانب اس کتاب میں مختلف اسکالرز وجید علماء کرام کے مضامین کو اکھٹا کر کے لوگوں کی خیر خواہی کے لئے شائع کیا گیا ہے تاکہ یہ مؤلف اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کے یہ مضامین ہیں، صدقہ جاریہ ہو۔ میں سید آصف علی سبزواری صاحب کی اس کاوش کی تہہ دل سے قدر اور حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔ جو کچھ سبزواری صاحب نے تحریر کیا ہے وہ میں نے اچھی طرح اور تفصیل سے پڑھا ہے، جس کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ تمام مواد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ دعا گو ہوں کہ رب کائنات اس کاوش کو قبول ومقبول فرمائے، آمین۔ نیز اگر اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرام مطلع فرمائیں، جزاک اللہ۔

مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی (امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ، بلیز ہائٹس)

بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر، کراچی۔ (فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی)

فون نمبر: 0333.3256542

نام کتاب: زندگی کیسے گزاریں؟

مؤلف: سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مؤلف: سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان

0302-2004072-0332-0348763

تصدیق کنندہ: حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی، امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر کراچی، فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

اشاعت اول: تاریخ: جمادی الثانی 1441 ہجری

فروری 2020 عیسوی

تعداد: 1000

باہتمام: محترم راؤ محمد ایوب خان (فلائٹ لیفٹیننٹ) PAF

راؤ اینڈ راؤ بلڈرز اینڈ ڈیولپرز

محترم شہزاد قریشی (بلڈرز اینڈ ڈیولپرز)

H-108، اسٹریٹ نمبر 27 عسکری 4 کراچی

کمپوزنگ: محمد عامر صدیقی.....کراچی سینٹر، نیوٹاؤن کراچی

معیز الحق صدیقی.....گلشن اقبال بلاک 5، کراچی

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشِ خدمت ہے، قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں۔

اس کاوش کا ثواب اس ذاتِ گرامی کی نذر ہے جسے کسی ثواب کی حاجت نہیں بلکہ جس کا نام ہی ہمارے لیے حرفِ دُعا ہے، محمد ﷺ: ان سے رِشتہ ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ درحقیقت ایسی ہر کوشش اور ہدیۂ سلام و درود سے ہماری ذات کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اس کا ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد اور تمام متعلقین کو پہنچا دے اور ان کو اپنی رحمت سے بخش دے اور میدان حشر میں ان پر خصوصی رحم فرما دے۔ آمین۔

میں اس کتاب کی اشاعت میں اپنے صاحبزادوں و صاحبزادیوں، جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حمیرہ آصف جاوید (ڈائریکٹر شاہین سروسز پرائیویٹ لمیٹڈ)
C-14 بلاک 5، گلشن اقبال کراچی

(2) سید احمد علی سبزواری و اہلیہ ہما احمد

(3) فاطمہ حسیب الرحمٰن

(4) عائشہ افضل

(5) صدف شہزاد

(6) سید عارف علی سبزواری و اہلیہ اسماء عارف

کا بھی انتہائی ممنون ہوں جنہوں نے اس کارِ خیر میں میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس نیک کام میں شمولیت کو ان کیلئے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور رب کائنات ایسی سعادت مند اولاد ہر کسی کو عطا فرمائے، آمین۔

سید آصف علی سبزواری

فہرست

۱	عقائد	۶
۲	ایمان کے تقاضے	۸
۳	دین میں پورے پورے داخل ہونے پر اللہ کی رضا کے فیصلے	۹
۴	اللہ کے دین کو اصلی حالت میں لوگوں تک پہنچانا	۱۰
۵	ایمان کے درجات	۱۱
۶	معاشرتی برائیاں	۱۳
۷	دین اسلام ایک پرامن مذہب	۱۴
۸	والدین کے ساتھ نیک سلوک	۱۵
۹	اولاد کی اچھی تربیت	۱۸
۱۰	منافق کی تین علامات	۲۰
۱۱	مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا	۲۳
۱۲	نعمتوں کی ناشکری نیکیوں کو کالعدم قرار دے دیتی ہے	۲۵
۱۳	بے پردگی، بے حیائی اعلانیہ گناہ	۲۷
۱۴	نیک اور بڑی عمر کے نامحرم مرد اور عورت کا پردہ	۳۱
۱۵	انتقامی کارروائی	۳۴
۱۶	فضول خرچی	۳۶
۱۷	فساد کی جڑ، شادی بیاہ کی رسومات	۳۸
۱۸	لوگوں کے درمیان معاملات	۴۲
۱۹	قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول	۴۴
۲۰	غصہ	۴۶
۲۱	غیبت ایک سنگین جرم	۴۷
۲۲	چند اچھی باتیں	۴۹
۲۳	ریاکاری	۵۱
۲۴	تکبر	۵۳
۲۵	رشتہ داروں کے حقوق	۵۴

۲۶ ..... عجب، خود پسندی ۵۶
۲۷ ..... سودی لین دین ۵۷
۲۸ ..... ہدایت کی پہچان، کسوٹی ۵۸
۲۹ ..... دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے ۶۰
۳۰ ..... حضرت ابوبکر صدیقؓ ۶۱
۳۱ ..... حضرت فاروق اعظمؓ ۶۲
۳۲ ..... حضرت عثمان غنیؓ ۶۳
۳۳ ..... حضرت علی کرم اللہ وجہ ۶۴
۳۴ ..... اچھے اور برے اعمال کے اثرات ۶۶
۳۵ ..... میاں بیوی کے حقوق وفرائض ۷۰
۳۶ ..... غلط فہمی اور اس کے نقصانات ۷۳
۳۷ ..... اسلام میں مشاورت کی اہمیت ۷۵
۳۸ ..... حقوق العباد کی اہمیت ۷۷
۳۹ ..... والدین کی قدر کیجئے ۷۹
۴۰ ..... نماز باجماعت اور صف بندی کی اہمیت ۸۳
۴۱ ..... پڑوسیوں کے حقوق ۸۷
۴۲ ..... رشوت ایک قومی ناسور ۹۰
۴۳ ..... حضرت نوحؑ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی نظر میں ۹۴
۴۴ ..... اللہ والوں کے چہروں کو دیکھنے کا حکم ۹۵
۴۵ ..... موبائل فون کی تباہ کاریاں ۹۷
۴۶ ..... موسیقی اور اسلام ۱۰۲
۴۷ ..... زبان کی حفاظت ۱۰۷
۴۸ ..... ٹی وی دیکھنا جائز یا ناجائز ۱۱۲
۴۹ ..... عورت کی آزادی مگر کس قیمت پر؟ ۱۱۴
۵۰ ..... کون سی ماں اور کہاں کی جنت؟ ۱۱۹
۵۱ ..... دنیا و آخرت کی زندگی ۱۲۴
۵۲ ..... دینِ اسلام اور کلمہ ۱۲۶
۵۳ ..... ایک دوسرے کی خیر خواہی ۱۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

عقائد

عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت پر یقین ایمان کی بنیاد ہے۔

ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل باتوں پر دل سے یقین رکھتا ہو:

(۱) عقیدۂ توحید: یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ تنہا اس کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور پوری کائنات اور اس میں موجود ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔ اس کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی کو شریک کرنا شرک اور عقیدۂ توحید کے خلاف ہے۔

(۲) رسالت: نبی کریم حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور پیغمبر ہیں، ان کی ذات اقدس پر غیر متزلزل ایمان رکھنا اور انہیں آخری نبی ماننا۔

(۳) عقیدۂ آخرت: یومِ حشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے یقین کے ساتھ ساتھ اپنے اچھے اور برے اعمال جو اس نے دنیا میں کیے تھے، ان کے حساب کتاب کیلئے مالکِ کائنات کے سامنے جواب دہ ہونا، اس کی روشنی میں جزا و سزا کا یقین رکھنا۔

(۴) تمام ملائکہ پر ایمان لانا۔

(۵) تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔

(۶) تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا۔

(۷) اور اس بات پر یقین رکھنا کہ ہر خیر اور شر اللہ کی جانب سے ہے۔

وضاحت:

اللہ تعالیٰ کے احکامات، کلام پاک اور نبی کریم ﷺ کے طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے کا زبانی اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ اقرار کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بغیر دیکھے ایمان اور وحدانیت کا اقرار کرنا بھی لازمی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور اللہ کی طرف سے آخری نبی ہونے پر غیر متزلزل ایمان کا اقرار کرنا اور زندگی بھر سنت کی پیروی کرنا بھی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی کسی ایک آیت یا حکم کا انکار کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کے اقرار کے بعد اس سے انحراف بدبختی اور ضعیف ایمان کی علامت ہے۔

ایمان کے تقاضے

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کے بعد اس کی علامات:

(۱) پڑوسیوں کو تکلیف نہ دینا، ان کے ساتھ اچھے معاملات کرنا۔

(۲) مہمان کے گھر میں آنے کے بعد اس سے خوش ہونا، اس کا اکرام کرنا، خاطر تواضع کرنا، جس کی آج کل کمی ہے۔

(۳) اچھی بات کہنا اور اس کو آگے پھیلانا۔

جن لوگوں میں یہ چیزیں نہیں ہیں تو ان کے ایمان کے تقاضوں میں کمی ہے۔

طنز:

کسی کی خامیوں کو کھلے عام بیان کرنے کے بجائے اشارے کنائے میں اس کے سامنے اظہار کرنا جس کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

بدتر لوگ:

بدتر لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مجبور لوگوں کی چیزیں کم داموں میں خریدتے پھریں، ایسی بیع حرام ہے۔ مضطر و مجبور کی بیع حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو رسوا کرے (تفسیر ابنِ کثیر)۔

حسد کرنا

کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ اچھی حالت اس سے زائل ہو جائے۔ عموماً اس کا سبب تکبر اور غرور ہوتا ہے۔ حسد سے دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ سورہ فلق کی آخری آیت کے علاوہ ابو داؤد کی روایت بھی ہے کہ حسد سے بچو۔

دین میں پورے پورے داخل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے فیصلے

پوری کائنات کی ہر چیز مالک کائنات کی محتاج ہے۔اس لیے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں گے تو ہمارے جسم کا اندرونی اور بیرونی نظام ،دونوں ہماری موافقت میں چلے گا۔اگر ہم نے نافرمانی کی تو ہمارے جسم کا اندرونی اور بیرونی نظام ہمارے خلاف ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جس نے ہماری نصیحت سے منہ موڑا اور اس نے ہمارے احکامات کی خلاف ورزی کی ،اس کی زندگی ہم تنگ کر دیں گے خواہ وہ غریب وتنگ دست ہو یا مالدار، دولت مند سب کیلئے ایک ہی ضابطہ دیا ہے:
دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ،اسی پر اس کی رضا کے فیصلے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (آدھے یا تھوڑے بہت دین میں آ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر احسان نہ جتائیں،) دین میں مکمل اور پورے پورے داخل ہو جائیں۔اس وقت آپ کو تمام فوائد حاصل ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے منافقین کیلئے دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی مقرر کی ہوئی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔جسم کے ہر جوڑ کا صدقہ ہے اور کوئی چیز راستے سے ہٹانا بھی صدقہ ہے۔

اللہ کے دین کو اصلی حالت میں لوگوں تک پہنچانا

نبی پاک ﷺ نے مسجد نبوی سے جو اللہ کے دین ،ضابطہ حیات کا پیغام قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے اعلان فرمایا۔ اس کی اصلی حالت میں نظریات کی حفاظت، اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ترجیح اور دوسروں تک پہنچانا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی صحبت سے صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تشکیل دی جنہوں نے آپ ﷺ کا فرمان غور سے سنا،اس پر عمل کر کے پوری دنیا کے لیے مثال قائم کی اور اپنی جان اور مال سب لا کر راہِ خدا میں رکھ دیا اور دین کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں، اس کو پوری دنیا میں پھیلایا اور ترغیب دی کہ لوگ اس کو آگے دوسروں تک پہنچائیں۔

ایمان کے درجات

(۱) اگر طاقت ہے تو برائی کو ہاتھ سے روکو۔

(۲) اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں تو زبان سے منع کرو۔

(۳) اگر برائی کو ہاتھ اور زبان سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو اس کو دل سے برا سمجھو، یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

کمزور ایمان کی علامات:

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں مشکل محسوس کرنا۔

دل سخت ہو جانا اور تلاوتِ قرآن کریم کی طرف دل مائل نہ ہونا۔

سنتوں کی ادائیگی میں لاپرواہی برتنا، بات بات پر پریشان ہونا اور غصہ کرنا۔

گناہ کے بعد احساسِ ندامت کا مٹ جانا۔

جزاء وسزا والی (خوش خبری اور تنبیہ والی) آیات کو سن کر کوئی اثر نہ لینا۔

مال جمع کرنے کی ہوس بڑھ جانا اور پیسے خرچ کرنے پر دل دُکھنا۔

دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا اور خود عمل نہ کرنا۔

معمولی نیکی کے کام لوگوں کو کرتے دیکھ کر مذاق اُڑانا، جیسے مسجد میں جھاڑو دینا وغیرہ وغیرہ۔

کوئی چیز حلال ہے یا حرام، اس سے بے تعلقی ظاہر کرنا اور مکروہ کو ترک نہ کرنا۔

مسلمانانِ عالم کو درپیش مسائل سے لاتعلقی کا اظہار کرنا۔

اسلام کو پھیلانے کیلئے کچھ کرنے کی ذمہ داری محسوس نہ کرنا۔

مصائب کا سامنا کرنے کی طاقت نہ رکھنا اور مصیبت کے وقت چلانا۔

دنیا کو پوری طرح اپنے آپ پر مسلط کر لینا۔

دنیا اور اس کی چیزوں میں اپنے آپ کو منہمک کر دینا اور دنیاوی نقصان پر کڑھنا۔

غیر شرعی کاموں میں برائی محسوس نہ کرنا۔

ناچ دیکھنا، گانا سننا، بے حیائی، بے پردگی والی زندگی کو پسند کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بالائے طاق رکھ کر بے لگام، عیاشی والی زندگی گزارنا۔

معاشرتی برائیاں

گمان، کینہ، عداوت، دشمنی، ریاکاری، غرور، عجب، خود پسندی، حسد، غیبت، غصہ، جھوٹ، دھوکہ، بے ایمانی، فریب، جھوٹی گواہی، عدالت میں جھوٹے مقدمے داخل کرنا، جھوٹی دستاویز تیار کرنا، جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرنا، ناانصافی، ظلم کرنا، مزدور کی مزدوری کم دینا، بجلی چوری کرنا، ناجائز ہتھکنڈوں سے حرام دولت کمانا، معاملات میں ڈنڈی مارنا، اپنا حق پورا لینا اور دوسروں کو کم دینا، امانت میں خیانت کرنا، وعدہ خلافی کرنا، لوگوں کو اذیت دینا، ان کو مختلف انداز سے دبانا، مجبور لوگوں پر ظلم کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، لوگوں کے گھروں میں ناجائز مداخلت کرنا، غریبوں کو دبانا، اپنی دولت پر غرور اور گھمنڈ کرنا، قرض ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول کرنا، وراثت کی جلد تقسیم نہ کرنا، لالچ، حرص، طمع، باطل کی حمایت کرنا اور حق کو رد کر دینا: یہ سب خطرناک بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور لوگ تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتے ہیں لہٰذا ان سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دینِ اسلام ایک پرامن مذہب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پرامن طریقے پر رہنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس زمین پر سب برابر ہیں۔ حاکمیت صرف مالکِ کائنات کی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کا خیر خواہ اور ایک دوسرے کیلئے اچھی سوچ رکھنی چاہیے، نہ کہ اپنے مفادات کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچائیں۔ مالکِ کائنات کے نازل کردہ احکامات اور نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے لوگوں کی خدمت کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اور لوگوں کی مشکلوں میں ان کے کام آئیں۔ دین دراصل مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، خدمتِ خلق، جذبہ ایثار، ہمدردی اور انسانوں کے ساتھ معاملات درست رکھنے کا نام ہے۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک

اللہ تعالیٰ نے خالص عقیدہ توحید کے زبانی اور دل کی گہرائی سے اقرار کرنے اور کلام پاک اور نبی پاک ﷺ کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کا اس نے سب کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے فوراً بعد والدین کے ساتھ اچھا سلوک، ان کی خدمت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔ والدین کی نافرمانی کو شرک کے بعد جرم عظیم قرار دیا گیا ہے جس کی سزا دنیا کی زندگی میں ہلاکت، تباہی و بربادی، تمام عبادات اور نیک اعمال کا ضائع اور تباہ و برباد ہونا ہے اور مرنے کے بعد آنے والی زندگی میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جس کی نبی پاک ﷺ نے تصدیق کردی ہے۔

اولاد کو چاہیے کہ وہ والدین کے حقوق کو پامال نہ کریں اور ان سے آگے نہ بڑھیں، ان سے بڑا بننے کی کوشش نہ کریں، ان کی بات کو غور سے سنیں اور مکمل ہونے کے بعد جواب دیں، وہ سرپرستِ اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ والدین کچھ بھی کہیں ان کی فرماں برداری اولاد پر ہر حال میں لازم ہے، سوائے اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم دیں۔ والدین کو اف تک کہنے سے روک دیا گیا ہے۔ ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اللہ کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں

بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت کے ساتھ بچپن میں مجھے پالا تھا۔ (سورہ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک برتاؤ کی وصیت کی ہے کہ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف کی حالت میں بھی اسے اٹھائے رکھا اور دو سال تک اسے دودھ پلایا تو اس لئے تم اس امر کے پیش نظر میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہو کہ تم لوگ اس کے لئے میرے آگے جواب دہ ہو (سورہ لقمٰن، آیت ۱۴)۔

رحمت اللعلمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے (صحیح بخاری و مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

بہترین عمل کون سا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہو؟

تو آپؐ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔

میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟

آپؐ نے فرمایا: ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنا۔

میں نے عرض کیا: پھر کون سا عمل؟

فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (بخاری و مسلم)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یارسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟

ارشاد فرمایا: ماں باپ ہی تمہاری جنت ہیں اور ماں باپ ہی دوزخ۔ (ابن ماجہ)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس آدمی نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ان ہدایات و احکام میں خدا کا اطاعت گزار رہا جو اس نے ماں باپ کے حق میں نازل فرمائے ہیں تو اس نے اس حال میں صبح کی کہ اس کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر ماں، باپ میں سے کوئی ایک ہو تو جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے بارے میں خدا کے بھیجے ہوئے احکام و ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہے تو اس نے اس حال میں صبح کی کہ اس کے لئے دوزخ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔

اس آدمی نے پوچھا:

اے خدا کے رسول! اگر ماں باپ اولاد کے ساتھ زیادتی کر رہے ہوں تب بھی؟

فرمایا: ہاں اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی۔'' (مشکوٰۃ)۔

اولاد کی اچھی تربیت

آج کل کی اولاد ناخلف اور والدین کی نافرمان کیوں ہے؟ یہ مسئلہ صرف علاقائی یا ملکی سطح پر نہیں بلکہ پوری دنیا کے والدین کے لئے تشویش کا باعث بنا ہوا ہے اور دنیا کے ہر فورم پر اس عالمگیر مسئلے کو ڈسکس کیا جا رہا ہے لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ حل نکلتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہر شخص اور ادارہ خود ساختہ حل پیش کرتا ہے اور جس رب العالمین نے ہمیں پیدا فرمایا ہے' جو ہمارا خالق ہے' اس کی طرف کوئی رجوع ہی نہیں کرتا۔

رب العالمین نے انسان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے جن کا شمار بھی ناممکن ہے، ان ہی نعمتوں میں سے ایک انتہائی گراں قدر نعمت اولاد ہے جس کا ذکر خالق کائنات نے قرآن کریم میں یوں کیا ہے:

المال والبنون زینة الحیوٰة الدنیا'' ترجمہ: مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی نعمت ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **وامددنا کم بأموال وبنین**'' ترجمہ: ہم نے تمہاری مدد کی مال اور بیٹوں کے ذریعے''۔

اولاد صرف گھر کی رونق اور باعث راحت وسکون ہی نہیں بلکہ صدقہ جاریہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ بھی جا بجا اولاد کے حصول کے لیے دعا مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن انبیاءؑ نے جب بھی اولاد کے لیے دعا مانگی تو ہمیشہ یہی مانگا کہ یا اللہ! مجھے نیک وصالح اولاد عطا فرما کیونکہ اولاد اگر نافرمان یا بدکردار ہو تو یہی نعمت ایک

ایسی زحمت میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' والی صورت حال بن جاتی ہے۔ وہ اولاد جسے والدین نے اللہ تعالیٰ سے بڑی منتوں مرادوں سے مانگا ہوتا ہے، صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ والدین کی زندگی اجیرن کر دیتی ہے اور بعض اوقات والدین یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کاش! یہ پیدا ہی نہ ہوا ہوتا لیکن بددعا سے پہلے والدین یہ سوچنا گوارا نہیں کرتے کہ یہ سب ان کی غلط تربیت کا ہی تو نتیجہ ہے، اگر صحیح تربیت کی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بعض والدین اپنے حقوق سے بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن اولاد کے حقوق سے بے بہرہ ہوتے ہیں یا پھر جان بوجھ کر اس سے تغافل برتتے ہیں لہٰذا اس غفلت کا نتیجہ بھی انہیں بہت جلد بھگتنا پڑتا ہے۔ اس دنیا کا اصول ہے کہ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے لہٰذا جو والدین پرورش کے دوران اولاد کے حقوق فراموش کر دیتے ہیں تو اولاد بھی بڑی ہو کر والدین کے حقوق بھول جاتی ہے۔

اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اسے دینی تعلیم دی جائے کیونکہ اس قدر علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے جس سے وہ چوبیس گھنٹے کی زندگی شریعت کے مطابق گزار سکے، اب اگر والدین نے اس عارضی حیات میں ''بڑا آدمی'' بنانے کی غرض سے بچپن سے لے کر جوانی تک اپنے بچوں کو گرمی، سردی، بارش، دھوپ کی پروا کیے بغیر انتہائی محنت سے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم تو دلوا دی لیکن انہیں ابدی زندگی میں کام آنے والی قرآن وسنت کی تعلیم و تربیت سے محروم رکھا تو ان کی آخرت تو برباد ہوگی ہی لیکن دنیا میں بھی اس کا سب بڑا نقصان خود والدین کو ہی بھگتنا پڑے گا، جب اولاد بڑی ہو کر اپنے بوڑھے والدین کو عضو معطل سمجھ کر اولڈ ہاؤس میں بھجوا دے گی تب یہ احساس ہوگا کہ میں نے اسے دینی تعلیم کیوں نہیں دلوائی تاکہ اسے بھی معلوم ہوتا کہ وہ اپنے ''بے کار والدین'' کو نہیں بلکہ اپنی جنت کو گھر سے نکال رہا ہے۔

منافق کی تین علامات

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے تو خیانت کرے (صحیح بخاری و مسلم)۔

بدقسمتی سے آج ہم میں یہ تینوں بدترین خامیاں نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہیں۔ دنیا دار تو دنیا دار، اچھے اچھے دینداروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ انتہائی صفائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ بولتے وقت انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ جھوٹ بولنا تو ایک مومن کی شان کے ہی خلاف ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے (مسند احمد)۔

اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے اندر دیگر خامیاں اور کمزوریاں تو ہو سکتی ہیں لیکن جھوٹ اور ایمان یکجا نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ ایک منافقانہ عادت ہے لہٰذا جس شخص میں بھی جھوٹ کی عادت موجود ہو تو اسے یہ حقیقت سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا قلب ابھی ایمان کی حقیقت و حلاوت سے ناآشنا ہے۔ اس لئے اگر وہ واقعی مومن بننا چاہتا ہے تو اسے جھوٹ کی عادت کو ترک کرنا ہوگا۔

اسی طرح وعدہ خلافی تو ہمارا روز کا معمول بن چکا ہے بلکہ بعض لوگوں کی تو عادت ہے کہ آپ ان سے بڑے سے بڑا ناممکن کام کہہ دیجئے، وہ فوراً حامی بھر لیں گے۔ اس کے بعد آپ ان کے پیچھے چکر پہ چکر لگاتے رہئے، فون پہ فون کرتے

رہئے، وہ آپ کو ہر مرتبہ ایک نئی کہانی سنا دیں گے، ایک نئی ٹوپی پہنا دیں گے حتیٰ کہ آخر کار خود آپ کو اس کام کے بارے میں پوچھتے ہوئے شرم آنے لگے گی مگر مجال ہے جو انہیں ذرا بھی شرم آجائے اور بعض تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہیں کہ وہ وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں اور پھر جب انہیں وعدہ یاد دلایا جائے تو بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ''میں نے کہا تو تھا کہ ان شاء اللہ، اب اللہ کو ہی منظور نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں'' جبکہ درحقیقت وہ جب وعدہ کر رہے ہوتے ہیں تب بھی ان کے دل میں اسے ایفا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اور وہ ان شاء اللہ بھی اپنی جان چھڑانے کے لئے کہتے ہیں۔ کیا یہ دین کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟

اسی طرح امانت داری کا تو تصور ہی ختم ہو چکا ہے۔ ہماری عمومی سوچ یہی بن چکی ہے کہ جو کچھ ہاتھ لگتا ہے، مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جاؤ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہاں کون ایماندار ہے؟ ہر شخص ہی خائن ہے وغیرہ وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ نے منافق کی جو تین علامات بیان فرمائی ہیں، آیئے ان تینوں کا جائزہ لے کر ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں کہ کہیں خدانخواستہ ان میں سے کوئی علامت ہم میں تو موجود نہیں ہے!

خالق کائنات نے فرمایا:

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روز جزا پر، حالانکہ وہ ذرا بھی صاحب ایمان نہیں (البقرہ، ع2)۔

یہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں، تعلیم دیتے ہیں بری باتوں کی اور باز رکھتے ہیں اچھی باتوں سے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھلا بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ فاسق لوگ یہی منافق ہی تو ہیں۔ (التوبہ: ع8)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کو بھی کافروں و مشرکوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم

میں داخل کرنے کا اعلان فرمایا ہے:

اللہ نے عہد کر رکھا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور ان کا عذاب دائمی ہے۔ (التوبہ، 8)

مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑ لو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے..... اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کاذبین میں لکھ لیا جاتا ہے (صحیح بخاری ومسلم)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ اس کو راستہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو (سورۂ زمر۔۳)۔

''یقیناً اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھ جانے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو (سورۂ مومن۔۲۸)۔

جھوٹ کتنی بڑی برائی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رب کائنات نے شیطان، کفار، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ساتھ جھوٹوں پر بھی لعنت فرمائی ہے اور لعنت کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور محرومی اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے دور ہو کر آدمی نہ دنیا میں سکون کی زندگی گزار سکتا ہے اور

نہ آخرت میں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہم رحمت الٰہی سے محرومی اور ملعون بننے پر تو تیار ہیں مگر جھوٹ چھوڑنے پر تیار نہیں۔

بعض لوگ شوقیہ، بعض پیسے کے عوض اور بعض اقربا پروری کی غرض سے جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور اسے گناہ بھی نہیں سمجھتے جبکہ ایک مرتبہ آپؐ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبے میں تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''سو تم بت پرستی کی نجاست سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی اجتناب کرو'' سورۃ الحج ۳۰ (مسند احمد)۔

اگر بے ایمانی، جھوٹ، دھوکہ دہی نہ چھوڑے تو اس کی نماز، روزے کی کوئی قیمت نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے جس کا مفہوم ہے کہ جو روزہ رکھ کر جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ دوسری روایت میں ہے، جس کا مفہوم ہے کہ جس کی نماز اس کو برائی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کرے گی (فضائل اعمال)۔

سب سے زیادہ خطرناک جھوٹ وہ ہے جو کسی مسلمان کی عزت وآبرو کو نقصان پہنچانے یا اس کا مال ہڑپ کرنے کے لئے بولا جائے۔ الغرض دروغ گوئی اخلاق رذیلہ میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جھوٹ سے بچا کر سچوں میں شامل فرمائے (آمین)۔

نعمتوں کی ناشکری نیکیوں کو کالعدم قرار دے دیتی ہے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے سے نیکیاں کالعدم قرار دے دی جاتی ہیں۔

اسی لیے ڈرنے کی بات ہے کہ نعمت کی ناشکری بھی نیکیوں کو کالعدم قرار دے دیتی ہے۔ کان، آنکھ اور زبان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ زبان سے لوگوں کو برائی سے روکیں اور نیکی کی ترغیب دیں اور ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت دیں۔ کانوں سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سنیں اور آگے پھیلائیں۔ ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کا علم ریکارڈ کریں اور اس کو آگے لوگوں کی بھلائی کیلئے شائع کریں۔ پیروں سے اللہ تعالیٰ کا دین حاصل کرنے کے لئے دینی درس گاہوں اور علماءِ کرام کے پاس جائیں تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔

دل کو آمادہ کریں کہ وہ برائی سے رکے اور نیک راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اپنے دماغ کو آمادہ کریں کہ وہ برے خیالات دماغ میں نہ آنے دے، بری سوچ سے بچ جائے اور اچھی سوچ رکھے۔ اچھے خیالات کی منصوبہ بندی کرے۔ یہ سب نعمتوں کے شکر ادا کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔ مکان جس میں تمام سامان اس کا کھانا پینا، اچھا بستر بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

اسی طرح اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اولاد کو دین کی تعلیم دیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کیلئے تیار کریں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ نیکی، ذکر اذکار کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑنا بھی ضروری ہے۔ گناہ چھوڑنے میں تمام برے کام جو اس کیلئے اور اس کے جسم کیلئے یا دوسروں کے لیے نقصان دہ ہیں، وہ سب ترک کر دیں۔

اصل میں ترک معاصی ہی اصل نیکی ہے۔ اپنے معاملات لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق درست رکھے۔ جو احکامات اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں: ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، ان پر مکمل عمل پیرا ہو۔ یہ جان جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے، جو کسی کی جاگیر نہیں، اگر وقت آجائے تو راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے۔ علم حاصل کرنا عافیت میں آنا ہے کیونکہ اس سے اس کو اچھے، برے کی تمیز ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرنے لیے راہ متعین ہوتی ہے۔

بے پردگی، بے حیائی اعلانیہ گناہ

بے پردگی، بے حیائی ایک خطرناک معاشرتی برائی ہے۔ یہ معاشرے کے بگاڑ کا سبب ہے۔ اپنی شکل اور جسم کو پردے میں چھپالیں اور لباس کی نمائش سے رُک جائیں۔ بوقت ضرورت نامحرم سے سخت لہجے میں بات کریں۔ آزادانہ میل جول سے پرہیز کریں۔ موسیقی سننا چھوڑ دیں، اس کی وجہ سے معاشرے میں فساد برپا ہو رہا ہے۔ یہ انسانوں کی صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ..... کسی قوم میں بے حیائی پیدا نہیں ہوتی مگر یہ کہ طاعون ان میں پھیل جاتا ہے اور ایسی بیماریاں ظاہر ہو جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوئیں۔

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں۔ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ حاضر خدمت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں، ہمیں نہیں دیکھ رہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھ رہیں؟ (ترمذی، ابوداؤد)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرما دیجئے اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور

مؤمنین کی عورتوں سے کہ جہاں کہیں بھی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو چادر میں لپٹ کر نکلا کرو اور چادر کو چہرہ پر لٹکا لیا کرو (تاکہ چہرہ پر کسی کی نظر نہ پڑے)۔

جب پردے کا حکم نازل ہوا تو صحابیاتؓ جہاں تھیں وہیں کسی کونے کھدرے میں کھڑی ہو گئیں اور کسی کو بھیجا کہ گھر سے کوئی کپڑا، چادر وغیرہ لے آئے تاکہ اسے اوڑھ کر آگے بڑھیں، پردہ کا حکم سننے کے بعد بے پردگی کی حالت میں ایک قدم بھی آگے بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ صحابہ کرامؓ کا ہر موقع پر یہی طرز عمل تھا کہ جب حکم سن لیا تو پھر اگر مگر، چونکہ چنانچہ نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی یہ کہا کرتے تھے کہ ٹھیک ہے ہم نے مان لیا مگر عمل فلاں وقت سے کریں گے۔

یاد رکھیے! بدنظری کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ دل حق و باطل اور سنت و بدعت میں تمیز کرنے سے عاری ہو جاتا ہے، قوت و بصیرت چھن جاتی ہے، دین کے علوم و معارف سے محرومی ہونے لگتی ہے، گناہ کا کام اس کو گناہ نظر نہیں آتا پھر ایسی صورت حال میں دین کے متعلق شیطان اس کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے، نیک لوگوں سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں حتیٰ کہ اسے دینی شکل و صورت والے لوگوں سے ہی نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ باطل پر ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور بالآخر ایمان سے محروم ہو کر جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیے! ان عورتوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے جو خود کو بے پردہ دکھاتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے جو پرائی عورتوں کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور اللہ کی لعنت کے معنی کیا ہیں؟

,,المراد باللعنة البعد عن الرحمة" ۔(مرقاۃ المفاتیح: رشیدیہ، باب الاستبراء، ج۶ ص۴۶۳)۔

لعنت کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔

لعنت کے معنی آپ سمجھ لیجیے: ملعون اسے کہا جاتا ہے جو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا جائے اور جو اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا اس پر جو بھی عذاب آ جائے، کم ہے: اس کے گردوں میں پتھری پڑ جائے کم ہے، بلڈ کینسر ہو جائے کم ہے، ٹی بی ہو جائے کم ہے، ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو جائے کم ہے، غرض جتنے بھی عذاب آ جائیں وہ کم ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اس کو دنیا میں کہیں بھی چین نہیں ملے گا۔ یہ نہ سوچو کہ ہمارے بینک بیلنس ہمیں سنبھال لیں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ ہماری بلڈنگ، ہماری کاریں اور ائیر کنڈیشنر ہمیں مطمئن کر دیں گے اور ہمارے بہت رشتہ دار ہیں، دس بیٹے ہیں۔ یاد رکھو! کوئی کام نہیں آتا۔ جس کو اللہ عذاب دینا چاہے تو ساری کائنات اسکو بچا نہیں سکتی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کسی مصیبت میں گرفتار کرنا چاہتا ہے تو اگر اس کا باپ اسپیشلسٹ ڈاکٹر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسی مرض میں مبتلا کر کے ہلاک کرنے پر قادر ہے جس کا وہ اسپیشلسٹ ہے۔ لکھنؤ کا پھیپھڑوں کا ماہر ڈاکٹر پھیپھڑوں کی بیماری میں مرا، ناظم آباد میں ہارٹ اسپیشلسٹ آیا، مریض کے دل کی رفتار انگلی سے شمار کر رہا تھا، اسی وقت اس کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ یہ دل کے ڈاکٹر ہیں جن کا دل فیل ہو رہا ہے، دل کا ڈاکٹر دوسروں کا دل دیکھ رہا ہے اور اپنا ہی دل غائب ہو گیا۔

اس پر خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر یاد آ گیا کہ دیکھو! اللہ کو ناراض کر کے اس بات کا تصور بھی نہ کرو کہ ہم چین سے رہ سکیں گے، نہ خشکی میں نہ تری میں، نہ سمندر میں نہ پہاڑوں میں، نہ ریلوں میں نہ ہوائی جہاز میں، جہاں جاؤ گے اللہ کی حکومت ہے، یہ وہ سیاسی پناہ نہیں ہے کہ پاکستان کے مجرم کو دوسرا ملک سیاسی پناہ دے دے کیونکہ ہمارے ملک کی حکومت کی حدود محدود ہے، اگر کوئی ہمارے ملک میں قتل کر کے چپکے

سے بھاگ گیا تو دوسرے ملک والے اس کو پناہ دے دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا مجرم جہاں جائے گا، کہیں اللہ کی حکومت سے نہیں نکل سکتا، کیا کوئی ایسا ملک ہے جہاں اللہ کی حکومت نہ ہو؟ جہاں اللہ کی زمین نہ ہو؟

نگاہِ اقربا بدلی ،مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

جو اللہ کو ناراض کرتا ہے، وہ سات کوٹھڑی میں بھی چھپ کر کوئی گناہ کرے تا کہ کوئی ہماری نافرمانی کو نہ جانے لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وہ چیز ہے کہ وہ سڑکوں پر اس نافرمان کو ہلاک فرمائیں گے، اس کی بیوی اس سے بغاوت کرے گی، بیٹے اس سے بغاوت کریں گے، جدھر جائے گا وہیں مار کھائے گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت دیتے ہیں، بوجہ حلم و کرم کے تھوڑی سی ڈھیل دیتے ہیں کہ شاید اب توبہ کر لے لیکن اگر مچھلی کے حلق میں کانٹا پھنسا ہے اور وہ بھاگی جا رہی ہے تو یہ نہ سمجھے کہ وہ کانٹے سے آزاد ہے، وہ شکاری کی ڈور کے ماتحت ہے، جس وقت چاہے گا موقع دیکھ کر پکڑ لے گا۔

نیک اور بڑی عمر کے نامحرم مرد اور عورت کا پردہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آنے اور نافذ العمل ہونے کے بعد نیک مردوں نے نیک عورتوں سے پردہ کیا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے ازواج مطہرات سے پردہ کیا۔ اِس دور کے لوگ اُن سے زیادہ نیک اور پارسا نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا ہی میں رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا تھا۔ اس لیے اِس دور میں نیک مرد، نیک نامحرم عورتوں سے ہر حال میں پردہ کریں گے۔ بڑی عمر کے نامحرم مرد، عورت کا ایک دوسرے سے پردہ ہے۔ عمر میں فرق کتنا بھی ہو اس میں کوئی رعایت نہیں ہے۔

بعض عورتوں نے پردے سے جان چھڑانے کے لئے یہ جملہ رٹ لیا ہے کہ ''دل کا پردہ ہونا چاہئے، اگر دل صاف ہو تو پھر پردہ کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر تو پردے کے تمام احکام ہی بے کار ہیں (نعوذ باللہ)۔ نظر شیطان کے تیروں میں سب سے خطرناک تیر ہے اور اکثر بے حیائی بدنظری کے ذریعے ہی پھیلتی ہے۔ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ''عورت کے مزین لباس کو دیکھنا بھی منع ہے، اس لئے کہ اس سے قلب میں شہوت پیدا ہوتی ہے''۔ شیطان کا اثر انسان کے تین اعضاء پر بالترتیب ہوتا ہے، آنکھ، دل اور شرم گاہ یعنی نظر

سے دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور وہ بدکاری تک پہنچاتی ہے۔

امہات المؤمنین تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور صرف احتراماً نہیں بلکہ حقیقی ماؤں کی طرح ان سے نکاح بھی حرام ہے اور پاک دامن ایسی کہ ان کی تطہیر اور پاک دامنی کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ جن کی یہ شان کہ ان کے بارے میں آیات نازل ہو رہی ہیں، حضرت جبریلؑ اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر آ رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے ان کی پاک دامنی کی گواہی دی اور ان ازواج مطہرات سے بات کرنے والے کون؟ صحابہ کرامؓ، جن کے تقویٰ پر فرشتوں کو بھی رشک آئے۔ جن کے بارے میں قرآن یہ اعلان کر رہا ہے کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی اور یہ کہ ان سب کو اللہ نے بخش دیا اور پھر ان کی گفتگو بھی کیا؟ دینی مسائل معلوم کرنا۔ اس کے باوجود انہیں یہ نہیں کہا جا رہا کہ دل کا پردہ کافی ہے، صحابہ کرامؓ جیسے متقی مرد اور امہات المؤمنین جیسی پاک دامن عورتیں، ایسی مقدس ہستیوں کو بھلا ایک دوسرے سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ بلکہ وہاں تو اس طرح کا تصور بھی محال تھا مگر اس کے باوجود انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ:

''جب بھی دین حاصل کرنے کے لئے امہات المؤمنین سے کچھ پوچھنا پڑے تو پردہ کے پیچھے سے پوچھو''۔

اور پھر ازواج مطہرات کو حکم دیا کہ:

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویو! جب کوئی شخص آ کر کوئی مسئلہ پوچھے تو اپنے لہجے میں نرمی اور لچک پیدا نہ کرو یعنی نزاکت سے بات مت کرو''۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حکم دیا ہے کہ:

فرما دیجئے مؤمنات سے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی

حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ آگے ایک ایک کر کے گنوایا ہے کہ ان کے سوا باقی کسی کے سامنے بھی بے پردہ جانا جائز نہیں یعنی شوہر، باپ (چچا و ماموں بھی) خسر، بیٹا (پوتا، نواسا بھی) شوہر کا بیٹا (داماد بھی) بھائی، بھتیجا، بھانجا، کافر باندی، ایسے مدہوش جنہیں عورتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں اور چھوٹے بچے، ان کے علاوہ باقی سب سے پردہ ہے، خواہ وہ چچا زاد ہوں، ماموں زاد، پھوپھا زاد، خالہ زاد ہوں، دیور یا جیٹھ ہوں، منہ بولے بھائی یا بیٹے ہوں یا پھر بچپن کے ساتھی ہوں۔ ان سب سے پردہ ضروری ہے۔

بعض عورتیں کہتی ہیں کہ ہم نے تو اپنے دیور یا فلاں لڑکے کو بچپن سے پالا ہے یا فلاں کے ساتھ تو بچپن سے رہے ہیں، اب کیا پردہ کریں؟ تو اس آیت کے آخر میں ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا کہ سب مل کر اللہ کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ یعنی جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا، اب توبہ کر کے آئندہ احتیاط کرو، یہ مت کہو کہ ''اب اس عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے''؟

انتقامی کارروائی

انتقامی کارروائی اتنی کریں جتنی زیادتی اس نے آپ کے ساتھ کی ہے، اس سے آگے نہ بڑھیں ورنہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ جائیں اور مظلوم سے ظالم بن جائیں۔ بہتر ہے کہ اس کو معاف کر کے احسان کا معاملہ کریں اور مالکِ کائنات کی طرف سے اجرِ عظیم پائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عزوجل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دیں گے..... اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے (مسند احمد)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور برائی کا (قانونی) بدلہ اسی کی مثل برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی کسی نے کی، اس کے بدلے میں اس کے ساتھ اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے لیکن) اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے اور معاف کر دے اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے تو

اس کا خاص اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہے (شوریٰ۔ع۔م)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کردیں (شعب الایمان للبیہقی)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ (جامع ترمذی)

فضول خرچی

فضول خرچی سے بچیں، اتنے پاؤں پھیلائیں جتنی آپ کی چادر ہے اس کے اثرات آپ کی صحت پر خراب پڑیں گے۔ دور رس نتائج خطرناک ہیں۔ درست منصوبہ بندی کریں، پرامن زندگی گزاریں۔

حضرت یحییٰؑ نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت کیا کہ تجھے سب سے زیادہ کون شخص محبوب ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت بخیل مومن سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت سخی فاسق سے ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ کیا بات ہوئی؟ شیطان نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے لیکن فاسق سخی کے حوالے سے مجھ پر ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگزر نہ فرمادیں۔ (احیاء)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جل شانہ کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے (کنز)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، آدمیوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے نیز فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی

ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں: ایک تو بخل، دوسرا بد خلقی (ترمذی)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، وہ اس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اول جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کے رکھا تھا (توبہ: ع ۵)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اور نہ تو (بخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہئے (کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے کہ اس صورت میں) ملامت زدہ اور (فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے ہو۔ بے شک تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کی مصالح اور ان کے احوال) سے باخبر ہے (کہ کس کے لئے کتنا مناسب ہے اور ان کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۳)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ؟ فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جو اس طرح اس طرح (خرچ) کریں، اپنے دائیں بائیں سے، آگے سے پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں (متفق علیہ)۔

فساد کی جڑ، شادی کی رسومات

ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنی یا اپنے بچوں کی شادی سے قبل اسلامی ہدایات و احکامات معلوم کر کے پھر اس کے مطابق شادی کرے جس سے ایک طرف تو مالی و انتظامی پریشانیوں سے بچا جا سکتا ہے جبکہ دوسری جانب اس میں برکت بھی ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچہ ہو۔'' (مشکوٰۃ)

اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے یا آپ کی اولاد کے نکاح میں برکت ہو اور یہ نکاح دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہو اور ازدواجی زندگی میں سکون واطمینان کا باعث ہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہو جائیں تو اپنے اخراجات کو کم سے کم سطح پر لے آیئے۔ دوسری بات یہ کہ نکاح جس قدر آسان ہوگا، بدکاری اتنی ہی مشکل ہوگی اور نکاح جتنا مشکل ہوگا بدکاری اتنی ہی آسان ہوگی لہٰذا نکاح میں سادگی اختیار کر کے خود کو اور اپنے بچوں کو بدکاری سے بچایئے جو دنیا میں بھی ذلت و رسوائی کا باعث ہے اور آخرت میں بھی۔

ہمارے ہاں شادی بیاہ کے موقع پر سادگی کی تلقین کرنے والے کا منہ یہ کہہ کر بند کر دیا جاتا ہے کہ زندگی میں ایک دفعہ تو شادی ہوتی ہے لہٰذا جی بھر کر دل کے ارمان پورے کرنے دو۔ یہی ارمان پورے کرنے کیلئے تو رسومات کا آغاز منگنی سے ہوتا ہے جو خود ایک شادی کے برابر ہوتی ہے۔ پھر ہندوؤں کی رسمیں مایوں، مہندی، چوتھی چالہ

وغیرہ ہوتی ہیں۔ جہیز کے نام پر گھر کی ہر ضرورت کا انتظام کیا جاتا ہے، خواہ اس کیلئے اپنا گھر ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ تقریب نکاح میں لڑکی والوں کی طرف سے سینکڑوں مہمانوں کیلئے پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے، سسرالیوں کے جوڑے بنتے ہیں اور دلہن کے نکاح اور ولیمے کا جوڑا تو اب لاکھوں روپے تک پہنچ چکا ہے جو شادی کے بعد زندگی بھر یوں ہی پڑا سڑتا رہتا ہے یا کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔

اسی طرح ولیمہ یہ کہہ کر کیا جاتا ہے کہ یہ تو سنت ہے مگر نہ تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس سنت کی اس قدر فکر کرنے والے کی زندگی میں فرائض کو بھی کوئی اہمیت حاصل ہے یا نہیں؟ اور نہ ہی اسے سنت کے مطابق سرانجام دیا جاتا ہے بلکہ ایک سنت ادا کرنے کے نام پر بے شمار سنتوں اور فرائض کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور بدعات اور کبیرہ گناہوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو دعوت ولیمہ کے کارڈ چھپوائے جاتے ہیں جن پر ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں، پھر ہزار پانسو مہمانوں کیلئے درجنوں ڈشیں تیار کروائی جاتی ہیں، عموماً اجتماع بھی مخلوط ہوتا ہے، ویڈیو فلم بنانے کا بھی بھرپور انتظام کیا جاتا ہے اور اب تو بعض عاقبت نااندیش اس تقریب میں بڑی سی اسکرین لگا کر دولہا دلہن اور دیگر عزیز و اقارب کی ویڈیو اس اسکرین پر بھی دکھانے لگے ہیں کہ لو نامحرموں کو جی بھر کر دیکھو۔ موسیقی کا بھی انتظام ہوتا ہے، بے پردگی تو اس تقریب کا ''حسن'' کہلاتی ہے، کھانا بھی کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے اور اس قدر کھانا ضائع کیا جاتا ہے کہ مزید اتنے ہی لوگوں کا پیٹ اس ضائع شدہ کھانے سے بھر سکتا تھا۔ اسی طرح اور بے شمار خرافات، بدعات اور کبیرہ گناہوں کا مجموعہ یہ تقریب ولیمہ مسنونہ کہلاتی ہے۔

کیا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کوئی ہو سکتا ہے؟

آپ ذرا خود ہی سوچئے کہ زندگی کے جس سفر کا آغاز ہی خالق کائنات کی

سینکڑوں نافرمانیوں سے ہوا اس میں کیا برکت ہوگی؟ لہٰذا یہ انہی نافرمانیوں کی نحوست ہے کہ آج گھر گھر لڑائی جھگڑے، پریشانیاں، گالی گلوچ، مار پیٹ، بے سکونی اور بے راہ روی عام ہو چکی ہے، طلاق اور خلع کی شرح بڑھ رہی ہے۔ لڑکیاں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں، غرض سکون جس کا نام ہے وہ دولت عنقاء ہو چکی ہے اور یہ سب نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کا۔

یاد رکھئے! شادی کیلئے فقط دو چیزیں ضروری ہیں: ایک نکاح جو فقط دو گواہوں کی موجودگی میں لڑکے، لڑکی کے ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور دوسرا ولیمہ جو کہ حسب استطاعت سنت ہے، نکاح کی شرط نہیں۔ اس کے علاوہ سب خرافات ہیں جنہیں دنیا و آخرت میں کامیابی اور سکون کیلئے ترک کرنا از حد ضروری ہے۔

یہاں ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے کہ آج کل لوگ شادی، بیاہ کے موقع پر بدلے کا بہت خیال رکھتے ہیں مثلاً فلاں ہماری خوشی میں شریک ہوا تھا تو ہم بھی ہوں گے ورنہ نہیں ہوں گے، فلاں نے اتنے پیسے یا اتنی مالیت کا تحفہ دیا تھا تو اب ہمیں بھی حساب برابر رکھنا ہے (بلکہ بعض جگہ تو شادی بیاہ کے موقع پر باقاعدہ طور پر رجسٹر رکھا جاتا ہے جس میں اندراج کیا جاتا ہے کہ کس نے کتنے پیسے دیے تاکہ اسے پورا پورا بدلہ دیا جا سکے) یا فلاں نے ہمیں اپنی خوشی میں نہیں بلایا تھا تو ہم بھی نہیں بلائیں گے۔ یاد رکھیے! یہ ایک مسلمان کی سوچ ہرگز نہیں ہے۔ مسلمان جو کچھ بھی کرتا ہے، اپنے رب کی رضا کیلئے کرتا ہے، وہ بدلہ نہیں لیتا اور اس نیت سے پیسے دینا کہ ہماری خوشی کے موقع پر یہ واپس ملیں گے، یہ تو جائز بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اسراف یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جس کی شادی ہوتی ہے اس کے تمام قریبی رشتہ دار اپنے گھر کے ہر

فرد کے کئی جوڑے سلواتے ہیں تاکہ ہر تقریب میں الگ الگ جوڑا پہنچا جا سکے، بالخصوص خواتین تو اگر کوئی جوڑا کسی تقریب میں ایک مرتبہ پہن لیں تو اسے دوسری تقریب میں پہننا گویا کہ گناہ تصور کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ'' کے مصداق شادی کسی اور کی ہوتی ہے اور نئے نئے کپڑوں اور جوتوں کیلئے سارے رشتے دار پریشان ہوتے ہیں۔ یہ اسراف اور فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے؟

لوگوں کے درمیان معاملات

لوگوں کے درمیان اپنے معاملات کا فیصلہ کر کے سوئیں اور مالکِ کائنات کے دربار میں معافی نامہ داخل کریں۔ صبح اٹھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ ہر قدم لوگوں کی خیر خواہی کے لیے اٹھائیں اور لوگوں کو اذیت دینے اور نقصان سے پرہیز کریں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

(1) عقائد جیسے اللہ تعالیٰ کو ایک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ کو رسول سمجھنا۔

(2) اعمال جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

(3) معاملات جیسے خرید و فروخت و نظام وغیرہ۔

(4) اخلاق یعنی عادات جیسے تواضع، سخاوت وغیرہ۔

(5) حسن معاشرت یعنی اچھا برتاؤ، جیسے کسی کے سونے میں کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اس کی نیند اُچٹ جائے۔

شریعت ان پانچ چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ مسلمانوں کیلئے ان سب کو اختیار کرنا ضروری ہے مگر موجودہ دور میں لوگ اختصار سے کام لینے لگے ہیں۔ کسی نے صرف عقائد پر اکتفا کر لیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے سے ہی جنت مل جائے گی، گو سزا پا کر اور پٹ پٹا کر ہی سہی، لہٰذا نماز، روزہ و دیگر عبادات کی کیا ضرورت؟ بعض نماز، روزے کی پابندی تو کرتے ہیں، مگر معاملات کو شریعت سے جدا سمجھتے ہیں اور لین دین میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ کچھ لوگ معاملات کا

تو خیال رکھتے ہیں، لیکن اخلاق وعادات کی اصلاح سے غافل ہیں، جبکہ ایسے بھی بہت لوگ دیکھے گئے ہیں جنہیں دوسروں کی اصلاح کرتے ہوئے مدتیں گزر گئیں لیکن خود ان کی عادتوں سے دوسرے تنگ ہیں، جبکہ اکثر کا یہ حال ہے کہ حسنِ معاشرت کو تو شریعت سے ہی خارج تصور کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے آپس کے برتاؤ ہیں' ان سے شریعت کا کیا تعلق؟

حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتیں زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتی ہیں لیکن اس طرف توجہ ہی نہیں دی جاتی، حالانکہ احادیث شریف میں بکثرت آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اسی قدر توجہ دیا کرتے تھے' جتنا کہ بڑی باتوں پر، کیونکہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی آگے چل کر بھیانک روپ اختیار کر لیتی ہیں۔

الغرض شریعت نے ہر موقع پر یہ خصوصی اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسروں کیلئے ادنیٰ درجے کی تکلیف' ناگواری' تشویش' پریشانی یا کراہت کا سبب نہ بنے، کیونکہ اسلام سلامتی کا دین ہے، لہٰذا اس کے پیروکاروں پر یہ لازم ہے کہ ان کے کسی قول یا عمل سے کسی انسان تو کیا حیوان کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ یہی اسلام کا وہ حسن ہے کہ غیر مسلم تمام تر مخالفتوں کے باوجود اپنے معاشروں میں اسلامی آداب رائج کرنے پر مجبور ہو گئے۔

قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول

حیثیت ہوتے ہوئے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ایک مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ شہید کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ اس نے مالک کائنات کی خاطر اپنی قیمتی جان کی بازی لگا دی اور اس کا مقام جنت الفردوس ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہے لیکن قرض اور حقوق العباد کے بارے میں اس سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں سے ان کا مال (بطور قرض) لیا اور وہ واپس کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرے گا (یعنی ایسے اسباب پیدا فرمائے گا کہ وہ سہولت سے قرض واپس کر سکے) اور جس نے لوگوں کا مال اس نیت سے لیا کہ اس مال کو ضائع کر دے (یعنی واپس نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ کر دے گا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے کسی نے قرض کا بوجھ اٹھایا پھر زندگی بھر اس کی واپسی کی کوشش کرتا رہا لیکن قرض ادا کرنے سے قبل اس کی وفات ہوگئی تو میں اس کا ولی (ضامن) ہوں۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے اس نیت سے کچھ قرض لیا کہ وہ اسے واپس کرے گا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ قرض واپس کرے لیکن قرض کی واپسی سے پہلے وہ وفات پا گیا تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس کے قرض خواہ کو اپنی جانب سے کوئی نعمت دے کر

راضی کرلے اور وفات پانے والے (مقروض) کو بخش دے اور جس نے اس نیت سے قرض لیا کہ وہ واپس نہیں کرے گا اور اسی طرح (بغیر واپس کئے) مر گیا تو اسے کہا جائے گا' تمہارا کیا خیال تھا کہ ہم فلاں کا حق تجھ سے وصول کر کے اسے پورا پورا نہیں دیں گے (لہٰذا) اس مقروض کی نیکیوں میں سے لے کر قرض خواہ کی نیکیوں میں ڈالی جائیں گی۔ اگر مقروض کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو پھر قرض خواہ کے گناہ مقروض کے گناہوں میں ڈال کر اس کا حق پورا کیا جائے گا (بیہقی)۔

غصہ

غصہ ایک ایسی چیز ہے جو کہ حرام ہے لیکن دینِ اسلام میں اسے پی جانے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ غصے کے وقت شیطان انسان کی شہ رگ میں شامل ہو جاتا ہے لیکن اللہ کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات ٹوٹ رہے ہوں یا دینِ اسلام کے خلاف بات ہو رہی ہو لیکن غصہ جب اپنے نفس کیلئے ہو تو اس وقت اپنے غصے کو پینے والے اور ضبط کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب رکھتا ہے۔

کسی دانشور کا قول ہے کہ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہو کر ندامت پر ختم ہوتا ہے لہٰذا عقل مند وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پالے۔ انسان کو جب بھی غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ سوچے کہ مجھے جس شخص پر غصہ آ رہا ہے، میں اس پر جس قدر قدرت رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ سے بہت زیادہ مجھ پر قادر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے بھی میری ہر نافرمانی پر اسی طرح غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا تو میری تو دنیا و آخرت، دونوں تباہ ہو جائیں گی لہٰذا ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرے۔

غصے کو کنٹرول کرنے کیلئے ایک طریقہ حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب بھی غصہ آئے تو اعوذ باللہ پڑھے۔ دوسری بات یہ کہ وضو کرلے کیونکہ پانی غصے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور تیسری بات یہ کہ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غصے پر قابو پانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

غیبت ایک سنگین جرم

غیبت ایک سنگین جرم ہے۔ کسی شخص کی غیر موجودگی میں جو عیب اس میں ہے وہ دوسروں کے سامنے بیان کرنا غیبت ہے اور جو اس میں نہیں ہے وہ بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو سنگین جرم قرار دیا ہے کیونکہ اس میں انسان کی کردار کشی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس بندے کے گناہ غیبت کرنے والے پر لاد دیے جائیں گے جس کی غیبت کی ہے۔ بصورت کمی اس کے اچھے اعمال اس کے نامہ اعمال میں درج کر دیے جائیں گے اور اس کے نیک اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو، غیبت کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) تو اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے جو اسے برا لگے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں بیان کر رہا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے؟) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو نے بھائی کا وہ عیب بیان کر دیا (جو اس میں موجود ہے) تب تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر تم نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا (مشکوٰۃ المصابیح، ۴۱۲ از مسلم)۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ کسی کے گناہ کا ذکر کرنا، کپڑے میں عیب بتانا، نسب میں کیڑے نکالنا، برے القابات سے یاد کرنا، اس کی اولاد کو کالا، بے ڈھنگا بتانا اور ہر وہ چیز جس سے دل دکھے، ان سب کا کرنا حرام ہے اور غیبت میں داخل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے (سورہ حجرات۔ رکوع ۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے (غیبت کر کے) دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا، آخرت میں اس کا (جسم والا) گوشت غیبت کرنے والے کے قریب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کو کھا! اس حالت میں کہ وہ مردہ ہے، جیسا کہ تو نے اس کا زندگی کی حالت میں گوشت کھایا تھا، اس کے بعد وہ اس گوشت کو کھائے گا.....اور چیختا جائے گا اور اپنا منہ بگاڑتا جائے گا۔

چند اچھی باتیں

(۱) کسی کا حق آپ کے ذمہ نہ رہے ورنہ نجات ممکن نہیں۔ آپ پل صراط پر روک لیے جائیں گے۔

(۲) استطاعت ہوتے ہوئے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا اور ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

(۳) کسی چیز کی دگنی قیمت مقرر کرنے میں برکت نہیں ہوگی۔

(۴) وراثت کے جلد تقسیم نہ ہونے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ معاشرے میں پھیلے ہوئے جھگڑوں کا اگر جائزہ لیں تو اس کی وجہ معاملات کو صاف نہ رکھنا ہے۔

(۵) امانت کی ادائیگی کی فکر کریں، امانت میں خیانت سے بچیں۔

(۶) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق، عبادات اور دینی معاملات میں ڈنڈی مارتے ہیں، اپنا تو پورا حق لیتے ہیں اور دوسروں کا حق جو ان کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی نہیں کرتے۔ حق کو تسلیم نہیں کرتے اور باطل کی حمایت کرتے ہیں، ایسے لوگ قیامت کے دن سخت عذاب میں ہوں گے۔

(۷) جو شخص کوئی چیز عیب بتائے بغیر بیچے تو مسلسل اللہ تعالیٰ کے غصہ میں رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

(۸) دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے آگ برسانے کا حکم دیا ہے۔

(۹) خواہشات کی بیماری خطرناک ہے بلکہ جن کو یہ بیماری لگ گئی ہے ان کی صحبت بھی دین کی عظمت اور قدر دانی کو ختم کر دیتی ہے۔

(۱۰) حرام کمائی والے کا نہ فرض قبول ہے اور نہ نفل۔

(۱۱) ایک شخص دوسرے کو سچا اور قابلِ اعتبار سمجھتا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اسے فریب اور نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسلام نے اسے سخت خیانت قرار دیا ہے۔

(۱۲) اگر بے ایمانی، جھوٹ، دھوکہ، فریب نہ چھوڑے، جھوٹی گواہی، جھوٹے مقدمے عدالت میں داخل کرے، جھوٹی دستاویز بنائے، جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرے تو یہ سنگین معاشرتی جرم ہے، اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا اور امن ختم ہو جائے گا۔ تو ایسے شخص کی نماز اور روزے کی کوئی قیمت نہیں۔ جس کی نماز اس کو برائی سے نہ روکے تو ایسی نماز اسے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ دور کر دے گی۔

(۱۳) یہ بدامنی اور معاشی بدحالی ہمارے گناہوں کا وبال ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے خود سے نہیں ہو رہا بلکہ کوئی کرنے والا ہے جس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ ساری مصیبتیں، قتل و غارت گری، یہ پریشانیاں سب اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہیں اور یہ عذاب کی صورت ہے جو ہماری بداعمالی کا نتیجہ ہے۔

ریاکاری

ریاکاری اور دکھلاوا کبیرہ گناہ ہے۔ اپنے اچھے اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیے جائیں جو دوسروں کو دکھانے کیلئے نہ ہوں۔ سورۃ الماعون میں دکھلاوا کرنے والوں کیلئے سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ جہنم میں ایک ایسی وادی ہے کہ ہر روز 400 مرتبہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتی ہے اور وہ امت محمدیہ کے ریاکاروں کیلئے ہے۔ ریاکاری اور دکھاوے کی وجہ سے تمام اچھے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریا کے ارادہ سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجال سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہوں۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شرک خفی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے (اخلاص سے شروع کی ہے لیکن کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے تو) وہ آدمی دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب الحزن'' سے پناہ مانگا کرو (یعنی غم کے کنویں سے جو جہنم میں ہے) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس میں کون لوگ رہیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے اعمال میں

ریاکاری کرتے ہیں (فضائل صدقات)۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جل شانہ شرکت سے بے نیاز ہے (مشکوٰۃ)۔

نیز حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے، میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے (بنائے ہوئے) شریک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (مشکوٰۃ)۔

تکبر

سورہ نمل کی آیت نمبر ۲۳ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو گھٹیا سمجھنا کبیرہ گناہ ہے یعنی جو لوگ اپنے آپ کو کسی درجہ میں بڑا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بڑائی آنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: تکبر اس کیفیت کا نام ہے جو خود بینی سے پیدا ہوتی ہے یعنی انسان صفات کمالیہ میں خود کو دوسروں سے زیادہ سمجھے، چاہے یہ تکبر کسی کمال دینی سے پیدا ہو یا کمال دنیوی سے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا پردہ ہے۔ ان دونوں چیزوں میں جو میرا حریف ہوگا میں اس کو جہنم میں ڈالوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام عیوب سے پاک اور ہر صفت میں کامل ذات صرف اور صرف خالق کائنات کی ہے لہٰذا ہر قسم کی کبریائی اور بڑائی اسی ذات کبریا کو زیب دیتی ہے اور وہی اس کا سزاوار ہے، جس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی مقابل۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے مخلوق کو غرور و تکبر سے باز رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی کبر ہو۔

رشتہ داروں کے حقوق

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی تو اسے شہرت دینے میں دیگر افراد کے ساتھ حضرت مسطحؓ بھی شامل تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے رشتے دار تھے اور ابوبکرؓ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ اس تہمت کے قصے میں شرکت سے حضرت ابوبکرؓ کو بے حد رنج ہوا اور انہوں نے قسم کھالی کہ مسطحؓ کی اعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

اور جو لوگ تم میں بزرگی والے، وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف فرما دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے (سورہ نور، رکوع ۳)۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس کا دوچند کر دیا۔

اسلام نے صلہ رحمی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ قرآن پاک میں درجنوں آیات میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ، نساء، انعام، انفال، یوسف، نحل، رعد، ابراہیم، بنی اسرائیل، مریم، طٰہٰ، فرقان، احقاف، نوح، نور، عنکبوت، لقمان اور محمد کے علاوہ بہت سی سورتوں میں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جبکہ احادیث مبارکہ تو بے شمار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بے شک اللہ جل شانہ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امور کی) نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرلو (نحل، ع ۱۳)۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو، توڑو نہیں (نساء۔ ع ۱)۔

اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں کے مختلف حقوق متعین فرمائے تا کہ ایک طرف تو ایک دوسرے کے مسائل و مصائب کو بانٹا جا سکے جبکہ دوسری جانب تھوڑے سے عمل کے بدلے بہت زیادہ ثواب حاصل کیا جا سکے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو، صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے اور کوئی گناہ جس کا وبال دنیا میں اس کے علاوہ ملے جو آخرت میں ملے گا، قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے (تنبیہ الغافلین)۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے (یعنی عمر لمبی ہو) اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے (متفق علیہ)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے۔ ایک صلہ رحمی کرنے والا.....

نیز فرمایا: دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں: ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کیلئے اٹھا ہو، دوسرا وہ قدم جو کسی محرم کی ملاقات کیلئے اٹھا ہو۔ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (فضائل صدقات)۔

عجب، خود پسندی

کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا، اپنی تعریف اور بڑائی چاہنا بہت بڑا مرض ہے۔ خود پسندی تباہ کن اور 70 سال کی عبادت ضائع کرنے والی بیماری ہے۔

حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو صبح کے وقت لوگوں کو وعظ کر دیا کروں۔ آپؓ نے فرمایا: ''لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرے اندر اتنی ہوا نہ بھر جائے کہ تجھے اڑا کر آسمان تک پہنچا دے''۔

یقین کیجئے کہ اس دنیا میں ''میں'' سے بڑا کوئی دھوکا نہیں، شہرت سے بڑھ کر ناپائیدار شئے کوئی نہیں اور دنیا میں کوئی بھی ناگزیر نہیں۔ ہماری دنیا اس کائنات کی کھربوں مشینوں میں سے ایک چھوٹی سی مشین اور ہم سات ارب پرزوں (انسانوں) میں سے ایک چھوٹا سا پرزہ ہیں، وہ پرزہ جو ناکارہ ہو جاتا ہے تو فوراً کوئی دوسرا پرزہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایسے معمولی پرزے کی حیثیت ہی کیا ہے جو وہ ''میں'' یا ''ناگزیر'' ہونے کا دعویٰ کرے اور عجب و خود پسندی میں مبتلا ہو۔

سودی لین دین

سود اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ ہے۔ سود کا لینے والا اور دینے والا، اس پر گواہ، اس کی دستاویز لکھنے والا اور اس میں کسی طریقے سے بھی ملوث ہونے والا، اس گناہ میں سب برابر کے شریک ہیں اور سود معیشت اور انسانوں کیلئے نقصان دہ ہے، اس میں بے برکتی ہے اور آخرت میں ہمیشہ کیلئے خسارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر کوئی ظلم کرے (سورۃ البقرہ)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے، یہ تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے دیے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں (سورہ روم: ع ۵)۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو.....(ان میں سے ایک ہے) سود کھانا.....(مشکوٰۃ شریف)۔

ہدایت کی پہچان: کسوٹی

جو لوگ ہماری طرف آنے کی جدوجہد، کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی طرف آنے کے راستے دکھا دیتے ہیں (پارہ ۲۱: سورہ عنکبوت، ۶۹)۔

جو لوگ دین کی جدوجہد کرتے ہیں، اس کو پھیلاتے ہیں، لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور نیکی کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی درجہ میں دین کا کام کر رہے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کیلئے راستے کھول دیتے ہیں۔ جو لوگ دین کو پھیلانے میں جدوجہد کرتے ہیں، جان مال وقت لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوشش اور طلب کے مطابق ان کو اجر عطا فرمائیں گے۔

یہ دنیا کی ضروریات کو پورا کرنا تو ضرورت کے درجہ میں ہے۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے میں جان، مال اور وقت لگانا ہے۔ یہی اصل کامیابی ہے۔ تبلیغی اجتماع سے بھی اللہ تعالیٰ کا دین پھیل رہا ہے۔ کافروں پر خوف طاری ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے، سننے اور عمل کرنے کیلئے ایک جگہ پر جمع ہوتے ہیں۔ یہ راہِ عمل، راہِ نجات اور راہ امن ہے۔ لوگوں کی اصلاح کرنا بہت ضروری ہے۔ دین بہت قیمتی ہے۔ دین کو قائم کرنے، اس کو اپنے جسم پر نافذ اور عمل کرنے سے خاندان، محلّہ اور معاشرہ کے لوگ آپس میں جڑتے ہیں، ان میں اتفاق، محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اگر دین ان کی زندگی میں نہیں ہوگا تو انتشار پیدا ہوگا۔ ان میں ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوگا۔ دین بہت قیمتی

ہے جو شخص ہدایت پر ہے خواہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ترین انسان ہے۔ اگر ہدایت سے خالی ہے، اس کے پاس دنیا کی دولت اور سامان سب کچھ ہے لیکن ہدایت پر نہیں ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں ناکام ترین انسان ہے۔

ہدایت کی پہچان کسوٹی یہ ہے:

(۱) دنیا کو دھوکے کا گھر سمجھے گا۔

(۲) دنیا سے اس کا دل اچٹ جائے گا، اس میں اس کا دل نہیں لگے گا۔

(۳) فکر آخرت ہوگی، وہ اس آخرت کی تیاری میں لگ جائے گا۔

(۴) جنت کا شوق پیدا ہوگا۔

دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے

نبی پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: انسانوں میں سب سے زیادہ عقل مند اور سمجھ دار وہ شخص ہے ''جو موت کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں اور جو موت کی سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں''۔ اگر ہم موت کو بھول بھی جائیں لیکن پھر بھی موت ہمیں یاد رکھے ہوئے ہے اور وہ برابر ہمارا پیچھا کر رہی ہے اور اس تاک میں ہے کہ وہ ہمیں کب آ دبوچے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ دنیا تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے، یہاں تو تم صرف آخرت کی تیاری کرنے کیلئے بھیجے گئے ہو، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو آخرت ہے۔ جو شخص اپنی موت کو یاد رکھتا ہے اس کو تین قسم کے انعامات سے نوازا جاتا ہے:

(۱) اس کو قناعت نصیب ہوتی ہے اور اسکے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اس پر صبر و شکر سے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے۔

(۲) اس کو جلد توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

(۳) اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مزہ آتا ہے۔

جو شخص اپنی موت کو یاد نہیں کرتا وہ تین قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے:

(۱) جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس پر قناعت نہیں کرتا، وہ دنیا کمانے کیلئے اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اس کو دنیا اور دولت کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) اس کو جلد توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

(۳) اس کا دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہیں لگتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔

یاد رکھو! یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، بے وقوف ہیں وہ لوگ جو اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ایسے لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ قوم کا امام بنایا۔ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس کیلئے زیبا نہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسرا ان کی امامت کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کہ ابوبکر! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے امر دین میں آگے فرمایا ہے تو کون ہے جو ہمارے دنیوی امور (خلافت) میں آپ کو پیچھے کر سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میں نے تمام لوگوں کے احسانات کا بدلہ اتار دیا ہے مگر ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز چکائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی مختصر مدت خلافت میں جس قدر کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور مسلمانوں کی بکھرتی ہوئی قوت کو جس طرح یکجا کر کے اسے عالمگیر سطح پر تسلیم کرایا وہ یقیناً کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے اونچا تھا اور وہ حکمت وسعادت کے اس بلند مقام پر فائز تھے جو نبوت سے نیچے اور باقی سب سے اونچا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کا رفیق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار کا امین، معرفت وصداقت کا یہ آفتاب 63 برس کی عمر میں 22 جمادی الثانیہ 13ھ کو غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یا اللہ! اسلام کو عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعے تقویت بخش، ان دونوں میں سے تجھے جو بھی محبوب ہو اسے مشرف بہ اسلام فرما اور پھر خالق کائنات کو جو محبوب تھا اسے ایمان کی دولت عطا فرما دی۔ حضرت عمرؓ نے اس شان سے ببانگ دہل اسلام قبول کیا کہ اہل ایمان کے نعرہ تکبیر سے مکہ کے در و دیوار ہی نہیں کفار کے دل بھی لرز اٹھے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں، دیگر اقوام سے جو معاہدات ہوئے، مملکت کے سلسلے میں جو انتظامات کئے گئے اور اشاعت اسلام کیلئے جو تدابیر اختیار کی گئیں، ان میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر طے پایا ہو۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل زمین میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ میرے وزیر ہیں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اے عمرؓ! شیطان جب تمہیں کسی راستے پر چلتا دیکھ لیتا ہے تو اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ عمرؓ قرآن کے ساتھ تھے اور قرآن عمرؓ کے ساتھ تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے بے شمار احکام حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئے جس کا سب سے بڑا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا تھا کہ آپؓ کے بعد آنے والے لوگوں میں سے قیامت تک کوئی آپ کے مقام و مرتبہ کے برابر پہنچنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت رقیہؓ سے نکاح کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو ایک اور بڑا اعزاز نصیب ہوا اور وہ تھا دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز اور یہی نہیں بلکہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنیؓ دنیا کے پہلے اور آخری شخص بن گئے جنہیں کسی نبی کی دو بیٹیوں سے نکاح کا شرف حاصل ہوا اور اسی بناء پر آپؓ ذوالنورین کہلائے۔ رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؓ سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد فرمایا: اگر میری کوئی (بن بیاہی) بیٹی اور ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا (فتح الباری)۔

9ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی لشکر کی جنگی تیاریوں اور حملے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے بھی صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا، کم وبیش 30 ہزار کا لشکر جرار جمع ہو گیا۔ قحط سالی کے باعث تنگ دستی کا زمانہ تھا۔ آپؐ نے لشکر کی مالی امداد کے لئے صاحب حیثیت صحابہ کرامؓ سے اپیل کی تو ہر شخص نے بقدر حیثیت تعاون کیا۔ عثمان غنیؓ چونکہ سب سے زیادہ دولت مند تھے لہٰذا آپؓ نے سات سو اوقیہ چاندی، ایک ہزار اونٹ، ستر ہزار درہم، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ اس موقع پر دیگر سامان کے علاوہ عثمان غنیؓ نے نقد رقم کی جو تھیلی پیش کی، آپؐ اس تھیلی کو فرط مسرت سے اپنے دست مبارک میں لے کر اچھالتے اور فرماتے: آج کے بعد عثمان پر کوئی اور عمل لازم نہیں ہوگا (ترمذی، باب مناقب عثمان)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

جب حضرت علیؓ جنگ صفین میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوئے تو زرہ باوجود تلاش کرنے کے نہ ملی۔ آخر جب جنگ سے واپس آئے تو وہ زرہ ایک یہودی کے پاس نکلی۔ آپؓ نے اس سے فرمایا: میں نے زرہ کسی کو دی نہ کسی کے ہاتھ بیچی، پھر تیرے پاس کس طرح آ گئی؟ اس نے کہا: یہ زرہ میری ہے اس لئے کہ میرے قبضہ میں ہے۔ مقدمہ قاضی تک پہنچا جن کا نام شریح تھا۔ قاضی نے آپ کا دعویٰ اور یہودی کا جواب سن کر آپ سے کہا: گواہ پیش کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بیٹا حسن اور میرا غلام قنبر موجود ہے۔ قاضی نے کہا: بیٹے کی باپ کیلئے اور غلام کی آقا کے لئے شہادت قبول نہیں ہوسکتی۔ فرمایا: تعجب ہے کہ تم اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا: حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ یہ سن کر یہودی یکا یک چلا اٹھا: آپ خواہ مخواہ مجھے قاضی کے پاس کھینچ لائے حالانکہ آپ امیر المومنین ہیں اور قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح جرح قدح کر رہا ہے۔ بے شک یہ دین سچا ہے اور بے شک یہ زرہ آپ ہی کی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جنگ میں شامل تھے۔ ایک کافر مدمقابل تھا۔ جب آپ اس کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھے اور اس کے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر آپ اس کے

سینہ سے ہٹ گئے۔ کافر نے کہا: اے علی! میرے تھوکنے سے تو تم کو اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا، یہ کیا کہ مجھے سرے سے چھوڑ ہی دیا؟ آپؓ نے فرمایا: پہلی دشمنی تم سے خدا کیلئے تھی، اب تو نے مجھ پر تھوکا ہے، اس سے میرے نفس کو جوش اور غصہ تو ضرور آ گیا ہے مگر اس حالت میں اگر تجھے قتل کر دوں تو یہ میرے نفس کی غیرت کا اظہار ہوگا، اس کو غیرتِ الٰہی اور للّٰہیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ کافر پر اس ایثارِ نفسی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

اچھے اور بُرے اعمال کے اثرات

ہر مسلمان جو دینِ محمدی ﷺ میں پیدا ہوا ہے اسے چاہیے کہ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے بتائے گئے احکامات کے مطابق گزارنے کیلئے اپنی ہر ممکن کوشش کرے اور اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوتا ہے۔

انسان کے اچھے اور بُرے عمل کو انجام دینے میں اس کی نیت کا بہت دخل ہوتا ہے اور عمل کے قبول اور رد ہونے میں نیت ہی بنیادی چیز ہے۔ جو شخص اچھے اعمال کرنے کا سوچتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اُن اعمال کے کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

میرے مشاہدے کے مطابق اچھے اور نیک اعمال کے اثرات انسان کے جسم، دل و دماغ اور اس کی پوری شخصیت میں نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر اور باہر بھی اس کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ جن جگہوں پر نیک اعمال کا تناسب زیادہ ہوتا ہے وہاں پر صفائی بھی ہے اور جہاں کا ماحول صاف ہوتا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے جسے محسوس بھی کیا جاتا ہے۔

جن گھروں میں بُرے اعمال پائے جاتے ہیں۔ ناچ گانا ہوتا ہے، بے پردگی کا ماحول برقرار ہے، آزادنہ میل جول رہتا ہے اور صفائی کی کمی ہے تو ایسے لوگوں کے گھروں اور آس پاس کے ماحول پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی تنگ اور مختلف پریشانیوں کا شکار ہو جاتی ہے، ان کے رزق سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور مختلف قسم کی خطرناک بیماریاں انہیں گھیر لیتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کے چھوٹے معصوم بچے بے سکون اور چیخ و پکار کرتے پھرتے ہیں اور اُن کی بڑی اولادیں

نافرمان ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے اُن کی زندگیوں سے سُکون اُٹھ جاتا ہے۔

اِس کے برعکس جو لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کو مالکِ کائنات پرسکون، صحت مند اور عزت والی زندگی عطا کرتا ہے، اُن کے چھوٹے بچے پرسکون اور بڑی اولادیں فرماں بردار ہوتی ہیں کیونکہ وہ صبر ،شکر اور قناعت پر قائم رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں جیسے ناچ گانے اور بے پردگی کا ماحول تو اُنکے دل میں ہل چل مچ جاتی ہے، وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کیونکہ اہلِ بصیرت اپنی فراست اور علم کی وجہ سے گناہوں کا فوری وبال اور فوری نقصان محسوس کر لیتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ اس کے آگے کیا کیا نقصانات ہیں؟

انسان کے اچھے اعمال میں جو چیزیں شامل ہوتی ہیں اُن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱-نماز کی پابندی کرنا

۲-سچ بولنا

۳-رزقِ حلال کمانا

۴-وعدے کی پابندی کرنا۔

۵-لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

۶-جلدی سونا اور جلدی اُٹھنا۔

۷-سادہ غذا کھانا اور وقت پر کھانا۔

۸-کم بات کرنا۔

۹-زندگی کے معاملات میں میانہ روی اختیار کرنا۔

انسان کے بُرے اعمال میں جو چیزیں شامل ہوتی ہیں اُن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱- ناچ گانا اور بے پردگی کے ماحول کو فروغ دینا۔

۲- زیب وزینت جو کہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

۳- فضول اور بے مقصد باتوں میں وقت ضائع کرنا۔

۴- دیر سے سونا اور دیر سے اُٹھنا یا رات بھر جاگنا اور دن بھر سونا جو کہ انسانی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

۵- نماز کا اہتمام نہ کرنا اور مسجدوں کو آباد نہ کرنا۔

۶- گالم گلوچ کرنا۔

۷-غیبت کرنا۔

۸- لوگوں کو دھوکہ دینا۔

۹- فضول خرچی کرنا۔

۱۰- اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا۔

انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کا عکس اپنی شکل میں موجود ہوتا ہے جو کہ اُس کے نامہ اعمال میں کراماً کاتبین درج کرتے رہتے ہیں اور فضاء میں محفوظ ہوتا رہتا ہے اور مالکِ کائنات کے علم میں بھی ہوتا ہے۔ یہی اعمال یا تو اُس کی زندگی کو پرسکون بناتے ہیں یا پھر اُس کی زندگی تنگ ہو کر رہ جاتی ہے اور زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ یہی اعمال اُس کی قبر میں یا تو اُس کو راحت دیں گے اور اس میں روشنی کر دیں گے یا پھر وہ قبر کے عذاب اور اندھیرے سے دوچار ہوگا۔ پھر یہی اچھے اعمال اُس کو پلُ صراط پر سے آسانی سے گزار دیں گے یا پھر برے اعمال، لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں اُسے پُل صراط پر روک لیں گے۔ نیک عمل کرنے والے پُل صراط کی حدود با آسانی پار کر کے جنت کی حدود میں داخل ہو جائینگے جہاں اس کا شاندار استقبال ہوگا اور اُس کے بعد مچھلی کا کھانا فراہم کرنے سے اُس کا اکرام ہوگا۔ اِس کے بعد اُس کے مرتبے کے حساب سے جنت میں اُسے جگہ فراہم کر دی جائیگی، جہاں پر ہمیشہ کے لئے اُس کے لئے آسائشیں ہی آسائشیں موجود

ہوں گی اور یہی اصل کامیابی ہے۔

کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور بڑائی بیان کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور سیارے ایک ہی مدار پر گردش کرتے ہیں کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اِس کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہے، یہ جانور، پہاڑ، درخت یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر معمور ہیں۔ اگر پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو پہاڑ سے پتھر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر خوف سے پھٹ کر گر جاتا ہے لیکن انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا، مسلمان کے گھر میں پیدا کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا، یہ بڑا ناشکرا اور احسان فراموش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چھت آسمان کے نیچے اور اُس کی زمین کے اوپر سرکشی اور نافرمانی کر رہا ہے۔

آج دنیا میں جتنے انسان آباد ہیں اِس سے پہلے انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کبھی نہ ہوئی تھی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جتنا علم آج انسان کے پاس ہے اُس سے پہلے کبھی نہ تھا مگر اِس کے باوجود جتنی گمراہی آج دنیا میں ہے شاید ہی کبھی اِس سے پہلے اتنی رہی ہو۔ بد عملی اور سرکشی کی انتہا ہوگئی ہے۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم گناہوں سے توبہ کر کے جہنم اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں، آنکھ بند ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، پھر ابدی جہنم ہے جہاں خون کے آنسو رونا بھی کچھ کام نہ آئے گا، موت سے پہلے ندامت کے دو آنسو بہا کر اپنے رب کو منالو، وہ رب جو ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، شیطان کے دوست بن کر اپنی آخرت برباد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

میاں، بیوی کے حقوق وفرائض

اسلامی خاندان میں میاں، بیوی کو ایک دوسرے کا خیر خواہ، ایک دوسرے کا ہمدرد اور ایک دوسرے کا پردہ رکھنے والا بنایا گیا ہے۔ اس معاشرے کی بنیاد اور اکائی میاں، بیوی ہیں۔ اسلام میں اس رشتے کو انتہائی پائیدار بنایا گیا ہے۔ اس لیے دونوں پر معاشرتی زندگی گزارنے کیلئے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے گئے ہیں جس سے خاندان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور ایک نیک وصالح کنبہ وجود میں آتا ہے اور معاشرے میں امن وسکون برقرار رہتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تمہیں سکون حاصل ہو (سورہ عنکبوت)۔

اور سکون جب ہوگا جب اللہ اور نبی ﷺ کے بتائے ہوئے آدابِ زندگی کو اپنایا جائے گا لہٰذا عورت ومرد دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھے۔

شوہر کا یہ فرض ہے کہ ایک اچھا روزگار تلاش کرے اور حلال رزق کما کر جو خود کھائے وہی اپنی بیوی اور بچوں کو بھی کھلائے، جو خود پہنے وہی اپنے بیوی بچوں کو پہنائے، اپنی بیوی سے حسن اخلاق سے پیش آئے اور اسے برا نہ کہے۔ اگر ناراضگی کی کوئی بات ہو جائے تو بار بار اسے گھر سے نکلنے کا نہ کہے، بار بار طلاق دینے کی دھمکی نہ دے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

تم میں سے مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہترین ہوں اور تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں (ترمذی)۔

شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے ماں، باپ اور رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا رویہ رکھے، انہیں برا بھلا نہ کہے، اس سے بیوی کے دل میں شوہر کیلئے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو مارنے کیلئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ اپنی آمدنی کے مطابق بیوی کی خواہشات کو پورا کرے اور اس کی تمام بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھے۔ اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دے۔ اپنے گھر میں اسلامی نظام نافذ کرے، خود بھی دین پر چلے اور اپنے بیوی، بچوں کو بھی دین پر چلنے کی تلقین کرے اور اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت موجود ہے۔

جس طرح شوہر کی کچھ ذمہ داریاں بیوی کے حوالے سے بنتی ہیں اسی طرح بیوی پر بھی شوہر کے حوالے سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

شوہر کو اللہ تعالیٰ نے بیوی سے ایک درجہ اوپر عطا کیا ہے۔ اس لیے بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے، اگر شوہر کسی کام کو کرنے سے منع کرے تو وہ کام نہ کرے، شوہر کی کمائی کی حفاظت کرے، شوہر کی غیر موجودگی میں گھر کی، بچوں کی اور اپنی عزت کی حفاظت کرے اور کسی نامحرم کو گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دے، بچوں کی بہترین پرورش کرے، شوہر کام سے واپس آئے تو اس کیلئے بنے سنورے اور مسکرا کر اس کا استقبال کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عورت پر سب لوگوں سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے جبکہ مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عورت ایمان کا مزہ اس وقت تک نہ چکھ پائے گی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔

لہٰذا بہترین بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کے سوا کسی اجنبی مرد پر نگاہ نہ ڈالے، اپنے شوہر کی خوبیوں پر نظر رکھے اور اس کے عیب اور خامیوں کو نظر انداز کرے اور شوہر بھی ایسا ہی رویہ اپنی زوجہ کے ساتھ اختیار کرے۔ بیوی کو چاہیے کہ شوہر کی آمدنی سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے اور جو مل جائے اس پر صبر شکر کرے۔

میاں، بیوی دونوں مل کر گھر بناتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی اپنے فرائض کو انجام دینے میں ناکام ہوتا ہے تو گھر بکھرنے لگ جاتا ہے۔ گھر میں لڑائی شروع ہو جاتے ہیں جس سے گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے، جس کے اثرات ان کے بچوں کی پرورش پر پڑتے ہیں۔ بچے اپنے ماں، باپ کو لڑتا دیکھ کر ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں جس کا اثر ان کی شخصیت پر پڑتا ہے اور اگر انسان کی شخصیت خراب ہوگئی تو زندگی برباد ہو جاتی ہے۔

اس لیے ہر مسلمان میاں، بیوی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق و فرائض کی ادائیگی اور نبی ﷺ کی سنت پر عمل کریں اور گھر میں دینی نظام نافذ کریں اور خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی نماز کا پابند بنائیں تاکہ گھر کا ماحول پرسکون رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں۔

شادی سے پہلے میاں، بیوی دونوں کو اپنے حقوق و فرائض کا بخوبی علم ہونا چاہیے تاکہ وہ ایک کامیاب زندگی گزار سکیں اور آئندہ جو ان کا خاندان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وجود میں آئے گا، وہ نقصانات سے بچ جائے۔

غلط فہمی اور اس کے نقصانات

☆ غلط فہمی کا مطلب یہ ہے کہ متکلم (بات کرنے والے) کے کلام میں سے اس کے بیان کے خلاف مفہوم لیا جائے یا سننے والا اپنی کم فہمی رکم سمجھی کی وجہ سے اس کا کچھ اور مفہوم نکال لے۔

☆ گفتگو میں بات کرنے والے اور سننے والے دونوں کو چاہیے کہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے دیں۔ بات کرنے والا الجھی ہوئی، ذو معنی، جلدی جلدی اور مشکل بات نہ کرے اور سننے والے کو چاہیے کہ وہ غور سے بات سنے اور اگر سمجھ نہ آئے تو وضاحت مانگے۔

☆ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

اے ایمان والو! راعنا مت کہو، انظرنا کہا کرو اور سنتے رہا کرو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

☆ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ایسے الفاظ جو ذو معنی اور مشتبہ ہوں، بات کرنے والا استعمال نہ کرے۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔

یعنی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے۔

☆ کلام میں شبہ پیدا نہ ہو اس لیے آپ ﷺ بات کہتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے

اور آپ ﷺ بات ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ اگر کوئی آپ ﷺ کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

☆ بات کرنے والے کو چاہیے کہ کھری بات کرے اور اپنی تحریر بھی صاف لکھے۔

☆ بات سننے والے کو چاہیے کہ جو بات کر رہا ہو اس کی بات کو غور سے سنے، اگر سمجھ نہ آئے تو وضاحت مانگے۔

☆ غلط فہمی ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ جھگڑے، فساد وغیرہ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہمیں چاہیے کہ نہ تو دوسروں کے حوالے سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور نہ ہی اپنی کسی بات یا حرکت سے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع فراہم کریں۔

اسلام میں مشاورت کی اہمیت

کائنات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخصیت عقل وشعور میں اس درجہ پر نہیں کہ وہ خود ہی زندگی کے تمام معاملات بخوبی طے کر سکے اور وہ تنہا فیصلہ بغیر کسی کے مشورے کے نہیں کر سکتا۔

انسان کی زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں وہ تنہا فیصلہ نہیں کر پاتا اور ایسے میں اسے ایک مخلص مشیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

مشورہ ایک عظیم امانت ہے جو مشیر یعنی مشورہ دینے والے کو سونپی جاتی ہے لہٰذا مشیر کا فرض ہے کہ وہ حق گوئی اور خدا خوفی سے مشورہ دے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے:

بلاشبہ وہ شخص امانت دار ہے جس سے مشورہ طلب کیا جائے (ابن ماجہ)۔

مشورہ اسلام کے سماجی ومعاشرتی نظام کا اہم ستون ہے۔ مشورہ طلب کر لینے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرنا چاہیے۔

مشاورت کی ہمارے دین میں بہت اہمیت ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی ﷺ بھی اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اس کی دلیل ہمیں قرآن پاک کی سورہ آل عمران سے ملتی ہے:

اے محمد ﷺ! آپ ان (یعنی صحابہ کرامؓ) سے باہمی معاملات میں مشورہ کر لیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اہل علم لوگوں کو جمع کرو اور معاملے کو آپس کے مشورے کیلئے پیش کرو۔ کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کر ڈالو۔

یعنی مشورہ ایک سے زیادہ مخلص لوگوں سے لیں۔ مشورہ ضرور لیں، اس میں بہت حکمت ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

ارشادِ ربانی ہے:

قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں (سورۃ الروم)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (مشکوٰۃ)۔

حقوق العباد سے مراد بندوں کے ضروری حقوق ہیں۔ دوسرے انسان کے مفاد کا، ان کے حصے کا خیال رکھنا حقوق العباد کہلاتا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو امن وسلامتی اور خیر و برکت کا پیغام دیتا ہے۔ جس میں اپنے پرائے، بڑے چھوٹے، حاکم ومحکوم، مرد وعورت، دوست دشمن، ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی حساب لیا جائے گا۔ اگر کسی نے اپنے پڑوسی کو ستایا ہوگا، حاکم نے محکوم پر ظلم کیا ہوگا، یتیموں کا مال کھایا ہوگا، کسی کو ناحق قتل کیا ہوگا، رشتوں سے قطع تعلق کیا ہوگا، والدین کی نافرمانی کی ہوگی، بزرگوں کی عزت اور بچوں پر شفقت نہیں ہوگی تو اس کا وبال اسے قیامت کے روز بھگتنا پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں:

جب مسلمان بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے، جب وہ دعوت دے تو اسے

قبول کرے، جب وہ خیر خواہی چاہے تو اس سے خیر خواہی کی جائے، جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ تین خصوصیات جس مسلمان میں ہوں گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا حساب آسان طریقے سے لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ خصوصیات یہ ہیں: جو تمہیں محروم کرے، تم اسے عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے تو اسے معاف کرو، جو تم سے قطع تعلق کرے، تم اس سے ملاپ کرو (کنز العمال)۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مسلمان کی عزت کرے اور اپنی زبان سے اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے (صحیح بخاری)۔

نیز فرمایا کہ سب سے وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کی میزان میں رکھی جائے گی وہ اس کا حسن اخلاق ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ نے تمام انسانوں کی بہتری اور بقاء کیلئے اپنے اعمال وکردار اور اخلاق واقوال سے ایسا نمونہ پیش کیا جو قیامت تک کیلئے سب کی رہبری کرتا رہے گا۔ آپ ﷺ رحمتِ عالم تھے، یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی طبقہ آپ ﷺ کی توجہ اور حسن سلوک سے محروم نہ تھا۔ آپ ﷺ سب سے پہلے خود حقوق ادا کرتے اور پھر دوسروں کو تاکید فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی مکمل ادائیگی کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

والدین کی قدر کیجئے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **واعبدو اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وّبالوالدین احسانا** (سورۃ النساء۔۳۶)

ترجمہ: ''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو''۔ صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا کہ انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ ان کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ان کے لئے یوں دعا کرتے رہو:

وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیراً (سورۃ بنی اسرائیل۔۲۴)۔

ترجمہ: اے اللہ! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی۔

والدین کی اہمیت کا اندازا اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خالق کائنات خود اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرما رہا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور ادب واحترام کا طریقہ یوں سکھا رہا ہے کہ ان کے سامنے اف تک مت کہو یعنی ان کی کسی بھی بات پر ناگواری کا اظہار نہ کرو۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کے حوالے سے احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، ان میں سے صرف چند احادیث پیش خدمت ہیں۔ قرآن وحدیث کی اہمیت سمجھنے والوں کے لئے یہ بھی کافی ہیں۔

رحمت اللعلمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے (صحیح بخاری ومسلم)۔

تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے ان میں سے ایک ماں باپ کا نافرمان بھی ہے۔ ہر گناہ کے بدلے میں عذاب اور ہر جرم کی گرفت کو موخر کیا جا سکتا ہے لیکن ماں باپ کی نافرمانی کا گناہ ایسا ہے کہ اس کا مواخذہ مرنے سے پہلے ہی کر لیا جاتا ہے (حاکم)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تا کہ تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی سے پیش آئے (الادب المفرد)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: بہترین عمل کون سا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہو تو آپؐ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (بخاری ومسلم)۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص رزق کی کشادگی اور عمر کی زیادتی کا خواہش مند ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کا غصہ ماں باپ کے غصے میں پوشیدہ ہے (الادب المفرد)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ والدین کا (اولاد کی وجہ سے) رونا بھی نافرمانی میں سے ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے والدین کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اس نے اپنے والدین کی فرمانبرداری نہیں کی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کے لئے مناسب نہیں کہ وہ باپ کے ہاتھ کو روکے جب باپ اسے مارنا چاہے اور جس نے والدین کو غمگین کیا اس نے بھی نافرمانی کی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ والدین سے محبت کرنا اور خرچ کرنا ان کی فرمانبرداری ہے اور ان سے جھڑک کر بولنا اور ان کو محروم رکھنا نافرمانی ہے۔

ایک بار ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اپنے باپ کی شکایت کی کہ وہ جب

چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کے باپ کو بلوایا اور تحقیق فرمائی۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا، میں نے کبھی اس کو اپنی چیز لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست وقوی ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔ اس بوڑھے کی باتیں سن کر رحمت عالم ﷺ رو پڑے اور (بوڑھے کے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر) فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے ماں باپ زندہ ہیں اور وہ صبح دم اجر وثواب کی نیت سے ان کی خدمت میں (سلام ومزاج پرسی کے لئے) حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے اور اگر والدین میں سے ایک ہے تو جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اس نے ناراض کر دیا اور غصہ دلایا تو جب تک وہ راضی اور خوش نہ ہوں، اللہ تعالیٰ بھی خوش نہیں ہوتا۔ کسی نے کہا کہ اگر چہ ماں باپ اس پر ظلم کریں؟ (تو جواب میں فرمایا) ہاں! اگر چہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں۔ (الادب المفرد)۔

خالق کائنات نے حضور ﷺ کو رحمت اللعلمین بنا کر بھیجا تھا اس لئے آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں اور ایذا دینے والوں کے لئے بھی کبھی بددعا نہیں فرمائی۔ اگر کبھی آپؐ سے بددعا کے لئے کہا جاتا تو فرماتے کہ ''میں تو رحمت سے دور کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا''، لیکن تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونے کے باوجود آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: وہ آدمی ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! کون آدمی؟ فرمایا: وہ آدمی جس نے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، دونوں کو پایا یا کسی ایک کو اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا (صحیح بخاری)۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ نقل کی ہے کہ جو نیک اولاد بھی ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج مقبول کا ثواب بخشتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر کوئی ایک دن میں سو بار اسی طرح رحمت ومحبت کی نظر ڈالے؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی، اللہ تعالیٰ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور (تنگدلی جیسے عیبوں سے) بالکل پاک ہے (صحیح مسلم)۔

ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ اگر اسلام نے ہمیں یہ حکم نہ بھی دیا ہوتا، ماں باپ کی خدمت اجر عظیم کا باعث اور نافرمانی ناقابل معافی جرم نہ بھی ہوتی تب بھی اگر عقلاً سوچا جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بعد اس کائنات میں کوئی ہستی ہے جس کے احسانات ہم مرتے دم تک نہیں اتار سکتے تو وہ ہمارے والدین ہیں۔ والدین کی قدر وہی جانتے ہیں جو اس دولت سے محروم ہو چکے ہیں۔ کسی یتیم سے پوچھئے کہ باپ کیا ہوتا ہے؟ کسی یسیر سے معلوم کیجئے کہ ماں کتنی بڑی نعمت ہے؟ کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جو نہ تو قرآن وحدیث پر عمل کر کے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے احسانات کے بدلے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔ دراصل انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود بوڑھا ہو کر اولاد کی خدمت کا محتاج ہو جاتا ہے مگر اس وقت تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے پھر اپنے بچوں کی ہر ناگوار حرکت اور بدسلوکی پر قلبی تکلیف کے ساتھ ساتھ والدین کے زخموں کی کسک بھی محسوس ہوتی ہے مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ خدا کے لئے اپنے والدین کی زندگی میں ہی ان کی قدر کر لیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دونوں جہاں میں ہاتھ ہی ملتے رہ جائیں۔

نماز باجماعت اور صف بندی کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلے میں جو وہ اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے، ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے:

اے ہمارے اللہ! اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما، اس پر رحمت فرما اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

اسلام نے نماز کی اہمیت پر انتہائی زور دیا ہے اور نماز باجماعت کی پابندی کرنے والوں کو پکا مومن قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت ونگہداشت کرتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی شہادت دو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت

پر۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ)۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے نماز فجر میں حضرت سلیمان بن ابوخیثمہ کو نہ پایا پھر آپ صبح سویرے بازار چلے گئے۔ حضرت سلیمان کا گھر بھی مسجد اور بازار کے درمیان میں پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ ان کی والدہ شفاؓ کے پاس سے گزرے اور ان سے پوچھا کہ میں نے سلیمان کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا: ساری رات نماز پڑھتا رہا، اس کی آنکھوں میں نیند غالب آ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں صبح کی نماز باجماعت میں شامل ہو جاؤں تو یہ میرے نزدیک محبوب ہے، اس سے کہ میں ساری رات عبادت میں گزار دوں (مؤطا امام مالک)۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا:

جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا کہ اس نے آدھی رات تک نماز ادا کی اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے پڑھی گویا کہ اس نے تمام رات نماز میں گزاری (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی)۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کرے اس کے لیے دو آزادیاں لکھ دی جاتی ہیں (۱) دوزخ سے آزادی (۲) منافقت سے آزادی (ترمذی شریف)۔

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اول تو موجودہ دور کے مسلمانوں کی اکثریت کا مسجد سے تعلق ہی ٹوٹ چکا ہے کیونکہ وہ نماز ہی نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی نہ تو جماعت کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی مسجد جانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مسجد کے گیٹ کے سامنے درجنوں ٹھیلے والے کھڑے ہوتے ہیں، اردگرد کئی دکانیں ہوتی

ہیں، قرب وجوار میں بے شمار گھر ہوتے ہیں، ان سب کو اذان کی آواز بھی سنائی دیتی ہے، لوگوں کو نماز کے لئے آتا جاتا بھی دیکھتے ہیں مگر انہیں ذرا بھی اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی، نہ ہی لوگوں سے شرم آتی ہے، مسجد کے پڑوسی ہونے کے باوجود ان میں سے اکثر نماز کے وقت یوں آرام واطمینان سے بیٹھے رہتے ہیں گویا کہ یہ مسلمان ہی نہیں ہیں، ان پر نماز فرض ہی نہیں ہے۔ کیا ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں اس قدر بے باک بھی ہوسکتا ہے؟

خالق کائنات کا کوئی بھی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، نماز باجماعت کے حکم میں بھی بے شمار مصلحتیں پوشیدہ ہیں، یہ مسلمانوں کی اجتماعیت، قوت، باہمی الفت، ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی اور یگانگت کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام نمازیں محلے کی مسجد میں، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں اور عیدین مرکزی عیدگاہ میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ محلے سے لے کر شہر تک کے مسلمانوں کا باہمی ربط پیدا ہو مگر افسوس کہ آج ہمارا مسجد سے تعلق ٹوٹ چکا ہے جس کی وجہ سے ہم میں اتفاق واتحاد کے بجائے دشمنیاں اور نفرتیں پروان چڑھ رہی ہیں لہٰذا دشمنان اسلام کے لئے بھی ہم ایک آسان ٹارگٹ بن چکے ہیں اور شیطان کو بھی زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔

نماز باجماعت کے موقع پر صفوں کی درستگی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کرتے گویا کہ ان کے ذریعے آپ ﷺ تیروں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس بات کو جان لیا کہ اب ہم سمجھ گئے۔ اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کیلئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ ﷺ

کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردے گا (مسلم شریف)۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے گزرے، دیکھا کہ ہم حلقے بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔ فرمایا: کیوں نہیں ہم اپنی صفیں باندھتے فرشتوں کی صف کی مانند، اپنے رب کے حضور؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کیونکر صف باندھتے ہیں اپنے رب کے حضور؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پورا کرتے ہیں پہلی صفوں کو اور مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں صف میں (صحیح مسلم)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سیدھا کرو صفوں کو اور برابر کرو مونڈھوں کے درمیان (کی جگہوں کو) اور بند کرو شگافوں کو اور نرم ہو جاؤ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں اور نہ چھوڑو تم فرجے شیطان کے۔ جس نے صف ملانے اور صف بندی کا اہتمام کیا، اللہ اسے ملائے گا اور جس نے صف توڑی اور اس کا اہتمام نہ کیا تو اللہ اسے توڑ ڈالے گا (ابوداؤد، نسائی)۔

صفوں کو سیدھا بنانا، درمیان میں خلا نہ چھوڑنا اور پہلے اگلی صفوں کو پورا کرنا نماز باجماعت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس پر بہت زور دیا کرتے تھے لیکن آج کل اس طرف عموماً دھیان نہیں دیا جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے دل بھی ٹیڑھے ہوگئے، آپس میں اختلافات بھی عروج پر ہیں، صفوں میں شیطان داخل ہونے کی وجہ سے ہماری نمازوں میں خشوع وخضوع بھی غائب ہو چکا ہے اور ہم بظاہر نماز میں ہوتے ہیں لیکن دل ودماغ دنیا جہاں کی سیر کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز باجماعت پڑھنے اور سنت کے مطابق صف بندی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پڑوسیوں کے حقوق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر، اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے، اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر، اگر بیمار ہو تو عیادت کر، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دے، اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر، بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رک جائے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو ایسی پوشیدہ طرح گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں اور اپنے گھر کے دُھویں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو کچھ پکائے اس میں سے اس کا بھی حصہ لگا لے۔

تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے (فتح الباری)۔

اہل خانہ کے بعد کسی بھی انسان کا سب سے زیادہ واسطہ اپنے پڑوسیوں سے پڑتا ہے حتیٰ کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو عزیز و اقارب سے بھی پہلے پڑوسی اس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ اسی طرح قریب رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی بہت سی باتیں ناگوار بھی گزرتی ہیں لہٰذا اسی حقیقت کے پیش نظر ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں

سے مامون نہ ہو جبکہ دوسری جانب فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے (مشکوٰۃ)۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور اپنے پڑوسی کی کثرت سے شکایت کرنے لگا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: جاؤ (اپنا کام کرو) اگر اس نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (یعنی تم کو ستایا) تو تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

پڑوسیوں کے حوالے سے عموماً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کبھی ایک دوسرے کے گھر کے آگے کچرا ڈالنے کا مقابلہ ہوتا ہے، کبھی پانی پھینکنے کا، کبھی تیز آواز سے ریڈیو، ٹی وی لگانے کا اور کبھی ایک دوسرے کو کڑوی کسیلی سنانے کا، اور پھر اپنی ''ہوشیاری'' کے قصے مزے لے لے کر بیان کئے جاتے ہیں کہ ''میں نے تو اسے ایسا سبق سکھایا کہ اگر عقل مند ہے تو آئندہ مجھ سے نہیں بھڑے گا'' اور چونکہ سننے والے اسی کے جیسے ''مسلمان'' ہوتے ہیں لہٰذا وہ بھی اسے سمجھانے یا پڑوسی کے حقوق بتانے کے بجائے اسے شاباش دیتے اور مزید اس کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ کم از کم اسی حدیث پر غور کر لیا جائے تو کوئی بھی اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ذرا سوچئے کہ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا جب پڑوسی کو تکلیف پہنچانے کے عوض ہماری نیکیاں ایک ایک کر کے اسے دے دی جائیں گی اور ہم ایک ایسے دن بالکل تہی دست رہ جائیں گے جس دن نہ دولت کام آئے گی، نہ قرابت داری، اس روز انسان کا واحد سرمایہ نیکیاں ہی ہوں گی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے

اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور زبان سے کوئی بات نکالے تو بھلائی کی بات نکالے ورنہ چپ رہے (متفق علیہ)

حق تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد ہے۔

تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ اور غرباء کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی (نساء۔ع ۶)

ایذائے مسلم تو ویسے بھی حرام ہے اور پھر اپنے پڑوسی کو تکلیف دینا، یہ تو اور بھی زیادہ برا ہے مگر ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوں، جو گلی میں کچرا اس لئے نہ پھینکتے ہوں کہ اس سے دوسرے پڑوسیوں کو تکلیف ہوگی، جو اپنا گھر دھو کر پانی سڑک پر اس لئے نہ بہاتے ہوں کہ کوئی پھسل نہ جائے، کسی کے کپڑے نہ خراب ہو جائیں، جو بالائی منزلوں کی کھڑکیوں سے پان کی پیک اس لئے نہ پھینکتے ہوں کہ کسی کے کپڑوں پر بیل بوٹے نہ بن جائیں، جو تیز آواز سے ریڈیو، ٹی وی اس لئے نہ لگاتے ہوں کہ اس سے اذیت پہنچ سکتی ہے، جو ہوٹلوں کے کھانوں اور مٹھائیوں کے ڈبے اور عمدہ عمدہ پھلوں کے چھلکے وغیرہ اس لئے چھپا کر پھینکتے ہوں کہ پڑوسی کے بچے انہیں دیکھ کر احساس محرومی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور جو پڑوسیوں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کو اس لئے برداشت کر جاتے ہوں کہ اسلام نے اس کے بڑے حقوق رکھے ہیں۔

رشوت ایک قومی ناسور

رشوت قومی امراض میں سے ایک بڑا مرض ہے۔ جس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت سے ناجائز کمائی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ رشوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے مال سے ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ قرآن مجید نے رشوت کی صریح طور پر مذمت کی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ اور تم اس بات کو جانتے بھی ہو۔'' (سورۂ بقرہ:۲۳)

اس آیت کریمہ میں صاف طور پر رشوت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس سے معاشرہ ناجائز کمائی کے گرداب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ رشوت سے قلب میں گناہ کی تاریکی چھا جاتی ہے اور چہرے پر حقیقی نشاط کے آثار ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ رشوت کا تعلق قلب سے ہے جب تک دل درست نہ ہو اُس وقت تک ایمان صحیح اور مستقیم نہیں ہوتا۔ دل کی درستی کا انحصار نیک اعمال پر ہے۔ قرآن پاک نے رشوت کو پیٹ میں آگ بھرنے سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد رب جلیل ہے:

''وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، خدا ان سے قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ اُن کو پاک صاف کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔''

علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو شخص رشوت لیتا ہے

وہ پیٹ کی خاطر ایسا کرتا ہے۔اس لئے قرآن مجید نے ایسی ناجائز کمائی کو پیٹ میں آگ بھرنے سے تعبیر کیا ہے۔ایک اور موقع پر قرآن مجید نے رشوت کے پیسے کو حرام کی کمائی کہا ہے۔چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے:

''جھوٹ کے بڑے سننے والے اور حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔''

دراصل رشوت ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جس سے انسان، معاشرے میں بے وقعت ہو جاتا ہے کیونکہ عام طور پر سماج میں رشوت کو انتہائی قابل مذمت فعل سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ لوگ دس آدمیوں میں بیٹھ کر یہ بات کہتے ہیں کہ فلاں شخص رشوت کا پیسہ کھاتا ہے۔ یہ ٹھاٹ باٹ سب رشوت کی کمائی کے ہیں۔اس طرح رشوت لینے والے کی نہ دنیا میں عزت ہوتی ہے اور نہ آخرت میں کیونکہ آخرت میں راشی کیلئے دردناک عذاب کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

فلهم عذاب اليم. (بقره)

حرام خوری کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ مائدہ ہی میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

''اور تو ان میں سے بہتوں کو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں۔کیا برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔'' (مائدہ:٦)

جہاں تک احادیث نبوی کا تعلق ہے تو حدیث شریف میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔رشوت دینے والے پر لعنت اس لئے ہے کہ وہ رشوت دے کر جرم کی اعانت کرتا ہے اور جرم کی اعانت قانون اور اخلاق دونوں لحاظ سے منع ہے۔اس حدیث شریف سے جو بات مترشح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ رشوت کے معاملے میں دو حصہ داروں کا وجود از بس ضروری ہے یعنی ایک وہ جو رشوت دیتا ہے اور دوسرا وہ جو رشوت لیتا ہے۔واضح رہے کہ رشوت کا عمل تمام مراحل

میں جانبین کی رضامندی پر منحصر ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ اشتراک عمل ایک ناجائز معاہدے کی شکل میں ہوتا ہے یعنی رشوت کا معاملہ دوطرفہ ہے یک طرفہ نہیں۔اس لئے ازروئے کتاب وسنت دونوں فریق گناہ گار اور مجرم ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رشوت لینا ہی جرم نہیں بلکہ رشوت دینا بھی حرام ہے۔دراصل رشوت کا تعلق عفت و پاکیزگی کی کمی سے ہے۔مسلمانوں کے جو امتیازی اوصاف قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں ان میں عفت و پاکیزگی سرفہرست ہے۔اسلام میں عفت و پاکیزگی کا مفہوم یہ ہے کہ برائیوں سے بچا جائے۔برائیوں میں سے ایک سب سے بڑی برائی رشوت خوری ہے جس سے بچنے اور انسداد کی اسلام دعوت دیتا ہے تاکہ معاشرے میں فلاح و بہبود اور طہارت و پاکی کی فضا پیدا ہو۔اگر غور سے دیکھا جائے تو رشوت ستانی بہت سے رذائل یا برائیوں کا سرچشمہ ہے۔مثلاً جو شخص رشوت لے گا اُس میں نہ زبان کی سچائی ہوگی نہ دل کی سچائی۔وہ قول وعمل دونوں میں جھوٹا ہوگا۔اسی طرح اس میں خودداری اور عزتِ نفس کا شائبہ تک نہ ہوگا۔جھوٹی قسمیں کھانا، جھوٹی تعریف کرنا، عیب جوئی، فضول گوئی، بددیانتی، غداری، بے ایمانی، چھپا کر لینا، یہ سارے عیوب اُس کے اندر ہوں گے۔اس کے برخلاف جو شخص عزت وآبرو کا پاس کرے گا، جس میں دیانتداری، امانت کا پاس، فرض شناسی، عمل کی سچائی اور شرم وحیا ہوگی وہ نہ رشوت لے گا اور نہ رشوت دے گا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رشوت سے سماج میں، خاندان میں، شہر میں سوائے رسوائی اور بے عزتی کے کوئی چیز نہیں ملتی۔

ایمان کے جو اوصاف ولوازم ہیں اُن میں سب سے بڑھ کر توحید کا اقرار ہے۔ مفلسی میں خدا کی راہ میں جمے رہنا، دنیا میں امن وسلامتی پھیلانا، صبر وتوکل کی زندگی بسر کرنا، ضرورت کے وقت اخلاقی جوانمردی سے کام لینا، کسی پر ظلم نہ کرنا، یہ وہ

اوصاف ہیں جن کو اسلام، ایمان کی علامت ٹھہراتا ہے۔ بے ایمان یا منافق وہ ہے جو اس میں خیانت کرے اور موقع ملے تو لوگوں سے خوب خوب رشوت لے۔ یہ وہ برائیاں ہیں جو روحانی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ دراصل ایمان کی تکمیل کیلئے ہر قسم کی دنیاوی، نفسانی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونا چاہئے۔ رشوت اس وقت لی جاتی ہے جب نفس، حرص و ہوس کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ جب نیت میں فساد آجاتا ہے تو انسان گراوٹ اور تنزلی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ روپے پیسے کی لالچ میں کوئی کام کرنا، سب سے پست مقصد ہے۔ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا وہ زندہ احساس جس کے ذریعہ سے وہ برائی اور بھلائی میں تمیز کر لیتا ہے وہ ضمیر کی آواز ہوتی ہے۔

جب کوئی شخص رشوت لیتا ہے تو یقیناً اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے لیکن بری صحبت، بری تربیت یا کسی خاص شدید جذبے کے اثر سے اُس کے ضمیر کی آواز دب جاتی ہے مگر جب اُس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے تو وہ ندامت کے دریائے احساس میں ڈوب جاتا ہے۔

حریص آدمی اس غم میں کڑھتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا۔ فلاں کے پاس یہ ہے میرے پاس نہیں۔ یہی وہ بنیادی جذبہ ہے جو انسان کو رشوت لینے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر ہم حرص وطمع کا دامن چھوڑ دیں اور توکل وقناعت کی زندگی بسر کریں تو پھر رشوت لینے کی ضرورت نہ پڑے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم رشوت سے پرہیز کریں اور معتدل اور میانہ روی کی زندگی بسر کریں۔ اسی میں ملک وقوم اور فرد کی زندگی کی فلاح وکامرانی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی نظر میں

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے جب حضرت نوحؑ کی قوم پر پانی کا طوفان آیا تو ان کا بیٹا ان کے سامنے پانی کے اندر ڈوب گیا۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: ''میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا''۔ آپ وعدے کے سچے ہیں، وہ پانی میں ڈوب گیا۔ اللہ رب العزت نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے اہل کو طوفان کے عذاب سے نجات دے دوں گا۔

اللہ اکبر! بس اتنی بات کرنی تھی کہ رب کریم کی طرف سے جواب آیا:

''وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا، اس کے عمل برے تھے''۔

جب انسان برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو بعض اوقات اپنی نسبت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ سگے بیٹے کے بارے میں فرمادیا کہ: ''وہ تیرا بیٹا تو ہے مگر تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں تھے، وہ نافرمان تھا''۔

اللہ والوں کے چہروں کو دیکھنے اور مال و جمال کے فتنوں سے بچنے کا حکم

قرآن مجید میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ:

''اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں (سورۃ الکہف:۲۸)۔

جن دو چیزوں سے منع کیا گیا کہ ان کو مت دیکھو، ان میں سے ایک غیر محرم بھی ہے چنانچہ فرمایا:

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (النور:۳۰)۔

اے محبوب ﷺ! اپنی نگاہوں کو ان لوگوں کے مال و منال کی طرف دیکھنے سے ہٹا لیجیے (الحجر:۸۸)۔

مسلمانوں کو مال و منال کے فتنوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے:

''تم جس حال میں زندگی گزارو گے تمہیں اسی حال میں موت آئے گی''۔

جس کی زندگی محمود (اچھی) اس کی موت بھی محمود (اچھی) اور جس کی زندگی مذموم (خراب) اس کی موت بھی مذموم (خراب)۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ: ''قیامت کے دن ایک بندہ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں بند نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ وہ اس کو دیکھ کر حیران ہوگا کہ میرا نامۂ اعمال بند کیوں ہے؟ کھلا کیوں نہیں کہ لوگ اسے دیکھیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اے میرے بندے! تو دنیا میں مجھ سے حیا کرتا تھا، آج تیرے نامۂ اعمال کو کھول کر گناہوں کو دیکھنے سے مجھے حیا آتی ہے''۔

موبائل فون کی تباہ کاریاں

اورنگ زیب عالمگیر نے اقتدار سنبھالتے ہی سرکاری میراثیوں، گلوکاروں اور فن کاروں پر پابندی لگادی کہ آئندہ دربار میں کوئی راگ، موسیقی یا طبلہ وغیرہ نہیں بجے گا۔ اس پر تمام میراثیوں اور راگ الاپنے والوں نے خوب برتن بجائے، احتجاج کیا اور شور مچایا مگر پابندی برقرار رہی، چنانچہ تمام میراثیوں وموسیقاروں نے ایک روز چارپائی پر کفن ڈالا، اوپر پھول بکھیر کر جنازہ پڑھا اور روتے دھوتے گلی سے گزرنے لگے۔ اورنگزیب نے جب یہ دیکھا تو لوگوں سے پوچھا ''کون مرگیا؟'' ایک میراثی نے کہا۔ راگ مرگیا ہے۔ اس پر اورنگ زیب مسکرائے اور کہا ''قبر ذرا گہری کھودنا تاکہ آئندہ یہ کم بخت اٹھنے نہ پائے''۔

خالق کائنات نے انسان کو عقل عطا کی جسے کام میں لاکر انسان نے بے شمار سائنسی ایجادات کیں۔ رفتہ رفتہ وہ ایجادات ہماری ضرورت بنتی چلی گئیں حتیٰ کہ موجودہ دور میں ہم ان ایجادات کے اس قدر عادی ہوچکے ہیں کہ ان کے بغیر زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے، ان ہی میں سے ایک ایجاد موبائل فون بھی ہے۔ 1990ء کے عشرے میں سیلولر فون، اسٹیٹس سمبل اور امارت کی نشانی تصور کیا جاتا تھا، موبائل سیٹ بھی ایک فٹ کے قریب ہوتا تھا جس کو دیکھ کر دور ہی سے اندازہ ہوجاتا تھا کہ کوئی ''صاحب موبائل'' تشریف لارہے ہیں مگر محض چند برسوں کے دوران نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ اب خاکروب حتیٰ کہ بھکاری بھی صاحب موبائل ہیں۔

عموماً سائنسی ایجادات بذات خود نہ تو اچھی ہوتی ہیں اور نہ ہی بری، بلکہ یہ ان

کے استعمال پر منحصر ہوتا ہے کہ کوئی شخص اسے اچھائی کے لئے استعمال کرتا ہے یا برائی کے لئے۔ اہل مغرب نے جدید ہتھیار بنائے اپنے دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے، مگر ہم وہی ہتھیار اپنے مسلمان بھائیوں، اپنے ہم وطنوں کے خلاف استعمال کررہے ہیں، انہوں نے ٹی وی ایجاد کیا اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے جبکہ ہم نے اسے جنسی تسکین کا ایک آلہ تصور کرلیا، انہوں نے کمپیوٹر وانٹرنیٹ کو سائنس، فنون، تجارت اور سیاست کے میدان میں کامیابی کے لئے بطور سیڑھی استعمال کیا جبکہ ہم نے اسے عریانیت وفحاشی کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ سمجھ لیا، اسی طرح انہوں نے سیلولر فون ایجاد کرکے وقت اور فاصلوں کو سمیٹ دیا جبکہ ہم نے اسے بھی ناچ، گانے، جنسی بے راہ روی اور عاشقی معشوقی کا ایک ایسا آلہ بنادیا جس نے بے حیائی کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور کردیں۔ آج ہمارے معاشرے کی اکثریت بالخصوص نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا یہ حال ہے کہ ان کے موبائل میں عریاں تصاویر، فلموں، بے ہودہ پیغامات اور گرل فرینڈ وبوائے فرینڈ کے نمبرز کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا، یہی وجہ ہے کہ موبائل فون کمپنیاں بھی ایسے پیکیج پیش کرتی ہیں جو نوجوانوں کی بے راہ روی میں مزید اضافے کا باعث بنتے ہیں مثلاً اپنے کسی بھی ''پسندیدہ'' نمبر پر صرف چند روپے میں رات بھر گپ شپ کیجئے یا اتنے روپے میں لامحدود پیغامات ارسال کیجئے وغیرہ وغیرہ۔ آپ رات کے 2 بجے، 3 بجے جس وقت بھی گلی میں نکلیں گے آپ کو دو چار عاشق موبائل کان سے لگائے محو گفتگو نظر آئیں گے۔

ایک مرتبہ میں ایک دکان پر کھڑا تھا۔ وہاں تین لڑکے آپس میں بات کررہے تھے۔ ایک کہنے لگا کہ فلاں کمپنی نے ان لمیٹڈ میسج کا پیکیج دیا ہے، اب جتنے چاہو میسج کرو۔ دوسرا لڑکا بولا: ابے نہیں یار! ان لمیٹڈ کہاں ہے؟ 5 ہزار میسج کے بعد پیکیج ختم ہوجاتا ہے یعنی وہ لڑکا فقط چند روز میں 5 ہزار سے زائد میسج کرچکا تھا اور ان کے حلئے و

گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کس قسم کے میسج کرتے ہوں گے؟

ہمارے نوجوان موبائل کے ذریعے جس قسم کے میسج کرتے ہیں ان میں سے ایک میسج بھی اگر کوئی شریف انسان پڑھ لے تو شرم سے پانی پانی ہو جائے، مگر ہمارے نوجوان اس قسم کے ہر میسج کو پڑھ کر نہ صرف خود محظوظ ہوتے ہیں بلکہ اپنے تمام دوستوں کو بھی فوری طور پر فارورڈ کر کے ''ثواب دارین'' حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نوجوانوں کا لفظ تو میں نے تکلفاً استعمال کر لیا ورنہ اس مشغلے میں ''پرانے نوجوان'' بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اب ایسے لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ نئی نسل کو اس بے حیائی اور بے راہ روی سے روکنے کی کوشش کریں گے، اسے خوش فہمی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

ذرا سوچئے کہ ہم جو ایک بے ہودہ لطیفہ یا شعر وغیرہ دس لوگوں کو فارورڈ کرتے ہیں وہ دس لوگ مزید دس، دس کو فارورڈ کرتے ہیں اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا رہتا ہے اور معاشرے میں بے حیائی کی آگ پھیلتی چلی جاتی ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف تو ہم بالواسطہ طور پر ایک بے حیائی کی بات لاکھوں لوگوں تک پہنچانے کا سبب بن کر اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے رہتے ہیں جبکہ دوسری جانب یہی بے حیائی کی آگ بعض اوقات ہمارے گھروں تک پہنچ جاتی ہے اور ہم بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں اور ہمیں ہوش تب آتا ہے جب منطقی طور پر ہم کسی سانحے کا شکار ہو جاتے ہیں اور اخبارات میں خبر چھپتی ہے کہ فلاں کی بیوی، بیٹی یا بہن گھر سے بھاگ گئی (نعوذ باللہ)

موبائل فون کا ایک اور غلط استعمال جو وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے وہ ہے موسیقی سے دل بہلانا، جسے دیکھئے کان میں ہینڈ فری لگا کر جھومتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ گاڑی چلاتے ہوئے بھی دونوں کان موسیقی سے ''لطف اندوز'' ہو رہے ہوتے ہیں،

اب آپ لاکھ ہارن بجاتے رہئے، صاحب مغنیہ کی رسیلی آواز سننے سے فارغ ہوں تو آپ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنیں۔ بحیثیت مسلمان تو ہمارے لئے یہی بات کافی ہونی چاہئے کہ اسلام میں موسیقی حرام ہے اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا سے گانے بجانے کے آلات کو ختم کر دیا جائے حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ اتباع سنت کرتے ہوئے موسیقی کی آواز کان میں پڑتے ہی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیا کرتے تھے جبکہ اس کے برعکس ہم کانوں میں ہینڈ فری ٹھونس لیتے ہیں تاکہ پوری توجہ کے ساتھ گانے سن سکیں۔

موبائل فون رابطے کا ایک بہترین ذریعہ ہونے کے علاوہ تبلیغی مقاصد کے لئے بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص ایک ایسے ماحول میں جہاں اسے شیطان کی تبلیغ کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اور آٹے میں نمک کے برابر لوگ اسے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے استعمال بھی کر رہے ہیں، مگر ایک تو ان کی تعداد بہت کم ہے جبکہ اس سے بھی زیادہ فکر انگیز بات یہ ہے کہ وہ اپنے موبائل فون پر موصول ہونے والے ہر مذہبی پیغام، آیت یا حدیث کو بلا تحقیق آگے بڑھا دیتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ شیطانی قوتیں بہت ذہانت اور باریک بینی کے ساتھ کام کر رہی ہیں لہٰذا شیطان کے آلۂ کار کسی آیت کا غلط ترجمہ کر کے، کسی من گھڑت حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر کے یا کسی بات کو بزرگوں سے منسوب کر کے میسج کرنا شروع کر دیتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان اسے کارِ ثواب سمجھ کر آگے بڑھا دیتے ہیں۔ اس حوالے سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس طرح کا کوئی بھی میسج ملے تو اسے فارورڈ کرنے سے پہلے کسی مستند عالم سے تصدیق ضرور کر لیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ثواب کے چکر میں الٹا گناہ گلے پڑ جائے۔ احادیث کی رو سے آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بڑھا دے، اسی طرح کسی آیت کا

غلط ترجمہ یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپؐ نے نہ فرمائی ہو، اپنی آخرت برباد کرنے کے مترادف ہے۔

موبائل فون کا استعمال بڑھنے کے ساتھ ساتھ جھوٹ کی اشاعت بھی بڑھ گئی ہے۔ آپ کسی کو فون کیجئے کہ میں آپ سے ملنے آرہا ہوں یا فلاں کام ہے تو وہ آپ کو جواب دے گا کہ میں تو اسلام آباد میں ہوں یا فلاں جگہ ہوں اسی طرح اور بھی مختلف قسم کے جھوٹ دھڑلے کے ساتھ بولے جانے لگے ہیں جو موبائل فون سے پہلے بولنا ممکن نہیں تھا، جبکہ مسلمان کی تو شان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا یعنی دوسرے کبیرہ گناہ تو اس سے انسان ہونے کے ناطے سرزد ہوسکتے ہیں مگر جھوٹ اور ایمان یہ دو متضاد چیزیں ہیں جبکہ ہم موبائل فون پر اس روانی سے جھوٹ بولتے ہیں کہ شاید شیطان بھی دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتا ہوگا۔

ذرا سوچئے! آخر کیا وجہ ہے کہ ہم نے ایک انتہائی کارآمد چیز کو جھوٹ، دھوکہ اور بے حیائی کا ذریعہ بنا کر اسے آلۂ گناہ بنا دیا ہے۔ ہم موبائل پر عریاں تصاویر و فلمیں دیکھتے ہیں، بے ہودہ پیغامات ارسال کرتے ہیں، موسیقی سنتے ہیں اور نامحرموں سے گھنٹوں گھنٹوں گپ شپ کرتے ہیں جبکہ یہ تمام راستے بدکاری و بے حیائی کی طرف جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں غلط روی بڑھتی چلی جارہی ہے لہٰذا ہم پر طرح طرح کے عذاب نازل ہورہے ہیں، ہم ذہنی سکون سے محروم ہوچکے ہیں جبکہ اقوام عالم میں ہماری ٹکے کی عزت بھی باقی نہیں رہی اس کے باوجود ہم خالق کائنات سے بغاوت پر تلے ہوئے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم ہر چیز کا منفی پہلو ہی کیوں اپناتے ہیں، آخر کیوں؟

موسیقی اور اسلام

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہوجائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ نماز، روزہ اور حج بھی کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ لوگ آلات موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ و سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے اور صبح ہوگی تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہوچکے ہوں گے (معاذ اللہ) (ابن حبان: ج ا)۔

اس حوالے سے بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ واقعۃً ان لوگوں کی شکلیں بندروں اور خنزیروں جیسی ہوجائیں گی اور یہ غالباً اس زمانہ میں ہوگا جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوجائیں گی اور یہ بھی ایک بڑی نشانی ہوگی جبکہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان کی شکلیں خواہ تبدیل ہوں یا نہ ہوں مگر گانا گانے والوں اور سننے والوں میں بندروں اور خنزیروں جیسی عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ بندر کی فطری عادت نقالی ہے اور خنزیر کی بدترین عادت بے حیائی و بے غیرتی ہے لہٰذا گانے سننے والوں میں اس گناہ کی وجہ سے بے غیرتی، بے شرمی، بے حیائی اور نقالی کی عادت پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ گلوکاروں اور ان کے پرستاروں میں ان دونوں خصلتوں کا مشاہدہ عام ہے۔ ایسے لوگوں میں شرم و حیا کا نام تک نہیں ہوتا اور ہولی وڈ اور بولی وڈ کے بدنام زمانہ گلوکاروں و اداکاروں کی نقالی اور فیشن پرستی میں رات دن اپنے پوز بدلتے رہتے ہیں۔ گویا عملاً

وہ پورے بندر اور خنزیر بن چکے ہوتے ہیں۔

شریعت مطہرہ میں ہر قسم کی موسیقی کا سننا، سنانا حرام ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے موسیقی سننے، سنانے پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر دھمکی آمیز وعیدوں کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راگ باجوں اور دیگر تمام آلات موسیقی کو مٹانا ہی اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مؤمنین کے لئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور (آلات موسیقی) صلیب اور جاہلیت کے امور کو مٹادوں (مسند احمد۔ ج ۵)۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر گانے بجانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہیں تاکہ بے سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے (لوگوں کو) بھٹکائیں اور اس راہ حق کا مذاق اڑائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے (سورۂ لقمان ۶)۔

جملہ مفسرین، صحابہؓ وتابعین کے ہاں اس آیت میں ''لھوالحدیث'' سے مراد گانا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس سے مراد گانا ہی ہے۔ یہ جملہ انہوں نے تین مرتبہ فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ''لھوالحدیث'' سے گانا بجانا اور اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

حضرت ابوامامہ باھلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (لوگو!) گانے والی لونڈیوں (گلوکاراؤں، رقاصاؤں) کا کاروبار نہ کرو، ان

کی تجارت میں کوئی خیر نہیں اور ان کی کمائی حرام ہے۔ اسی بارے میں لھوالحدیث والی آیت نازل ہوئی ہے (ترمذی شریف جلد۔۱)۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور ان میں سے جن پر تو (اے شیطان) قابو پائے' اسے اپنی آواز کے ذریعے (راہ راست سے) ہٹادے''

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شیطانی آواز سے مراد گانا اور ہر وہ آواز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے (تفسیر ابن کثیر)۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے باجوں کو حلال سمجھیں گے (صحیح بخاری)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت میں بھی زمین دھنسنے، شکلیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے۔ ایک صحابی نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور گانے باجوں کا رواج عام ہوجائے گا اور سرعام شراب نوشی ہوگی (ترمذی شریف۔ جلد۲)۔

حضرت عائشہؓ سے زلزلے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ جب زنا کاری کو مباح سمجھنے لگیں' شراب پینا رات دن کا مشغلہ بنالیں اور ناچ گانے اور رقص عام ہوجائے، اس وقت اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور زمین سے فرماتا ہے ''تزلزلی بھم'' ان کو ہلا کر جھنجھوڑ دے۔ اگر اس سے عبرت حاصل کی اور باز آگئے تو خیر، ورنہ ان پر عذاب مسلط فرمادیتا ہے (الدواء الکافی ابن القیم + جوزی۔ ص ۵۸)۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اپنی امت میں پیدا ہونے والی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب .....گانے والی عورتوں کا رواج اور موسیقی کے

آلات عام ہوجائیں، شراب سرعام پی جانے لگے، بعد والے پہلوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو ایسے وقت سرخ آندھیوں، زلزلوں، زمین میں دھنسنے اور شکلیں مسخ ہونے اور بگڑنے کا انتظار کرو (ترمذی شریف)۔

آج ہمارے اس ''مسلم معاشرے'' میں گانا سننا، سنانا اس قدر عام ہو چکا ہے کہ ہر گھر، گلی کوچے، بازار و شاپنگ سینٹرز فلمی گانوں اور میوزک سے گونج رہے ہیں۔ شادی بیاہ کی تقریبات ہوں یا قومی ایام، فحش قسم کے گانوں سے پورا محلّہ گونجتا ہے اور موبائل فون نے تو موسیقی کو مساجد تک پہنچا دیا ہے۔ حتیٰ کہ بیت اللہ کے دروازے پر لوگ کھڑے رو رہے ہیں کہ اچانک کسی کے موبائل پر گانا بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ کافروں نے ہماری عبادات کو کس قدر بے اثر کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ خالق کائنات جس نے موسیقی کو حرام قرار دیا اور موسیقی و آلات موسیقی کو مٹانے کے لئے رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، ہم اسی کے گھر میں اسی کے سامنے کھڑے ہو کر موبائل کے ذریعے خود بھی موسیقی سنتے ہیں اور دوسرے نمازیوں کو بھی سناتے ہیں۔ یہ اللہ کے دین کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

یاد رکھئے! دین آج سے چودہ سو سال قبل مکمل ہو چکا، اس کا ہر مسئلہ اٹل، لازوال اور قیامت تک کے لئے محفوظ ہے۔ جو چیز شرعاً حلال ہے، وہ قیامت تک حلال رہے گی اور جو چیز شریعت میں حرام ہے وہ بھی رہتی دنیا تک حرام رہے گی۔ کسی کی مخالفت یا موافقت اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ موسیقی بھی شریعت محمدیؐ میں واضح طور پر حرام ہے۔ موجودہ دور میں بعض مغرب نواز جدید مسلمان مفکرین موسیقی کو روح کی غذا قرار دے کر سند جواز فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ایک دیندار مسلمان جانتا ہے کہ قرآن اس کے برعکس اللہ کے ذکر کو روح کی غذا قرار دیتا ہے جیسا کہ فرمایا ''اور دلوں

کا اطمینان تو اللہ کے ذکر سے ہی حاصل ہوتا ہے'' ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ان کی روح کی غذا تو ذکر الٰہی ہے البتہ جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے ان کی ارواح خبیثہ کی غذا موسیقی ہے۔

گزشتہ احادیث پر غور کیجئے اور سوچئے کہ کیا آج مسلمانوں پر مصائب و آفات سماوی کی کثرت نہیں ہے؟ کیا زلزلے، طوفان، سیلاب، طوفانی بارشیں اور زمین میں دھنسنے کے واقعات کثرت سے نہیں ہو رہے؟ کبھی ایران میں زلزلہ، کبھی انڈونیشیا میں تباہی، کبھی آسام و بنگلہ دیش میں سیلاب، کبھی پاکستان کے شمالی علاقوں اور بلوچستان میں زلزلوں سے تباہی و بربادی، پے در پے ان تباہ کن حادثات کا حقیقی سبب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھلم کھلا نافرمانی اور اعلانیہ بے حیائی، بدکاری اور ناچ گانے کی وبا کا عام ہونا ہی ہے اور جیسے جیسے ان گناہوں میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے قدرتی آفات و حادثات بھی بڑھتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ یہ قوم یا تو توبہ کر لے یا پھر خدانخواستہ نیست و نابود کر دی جائے۔

احادیث مبارکہ میں گانے بجانے کے بے شمار نقصانات بیان کئے گئے ہیں جن میں سے چند نقصانات یہ ہیں:

گانا باجا اللہ کی ناراضگی اور قلب کے فساد کا باعث ہے (بیہقی)۔ دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔ ایک ناچ گانے کی آواز، دوم مصیبت کے وقت رونے پیٹنے کی آواز (کنز العمال)۔ گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے (کنز العمال)۔

یاد رکھئے! اگر اب بھی ہم ناچ گانے اور رب کائنات کی دیگر نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو ہمیں دنیا و آخرت کی تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

زبان کی حفاظت

شیر کے بیمار ہونے کی خبر سن کر سارے جانور اس کی عیادت کو پہنچے۔ شیر بہت خوش ہوا لیکن لومڑی کو غائب دیکھ کر بولا۔ لومڑی نہیں آئی؟

یہ سن کر ایک بھیڑیئے نے کہا۔ بادشاہ سلامت وہ بڑی لاپرواہ ہے، آپ اتنے بیمار ہیں اور وہ نہ جانے کہاں غائب ہے؟۔

ہوں.....اگر وہ آئے تو مجھے خبر کرنا۔ شیر نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ لومڑی آ گئی۔ بھیڑیئے نے شیر سے کہا بادشاہ سلامت! لومڑی آ گئی.....نہ جانے یہ کہاں پھرتی رہی ہے۔

شیر نے لومڑی کو خوب ڈانٹا، پھر پوچھنے لگا، کہاں رہ گئی تھیں؟

لومڑی کہنے لگی: حضور چونکہ آپ بیمار ہیں، اس لئے میں آپ کیلئے دوا تلاش کر رہی تھی اور یوں مجھے یہاں آنے میں دیر ہوگئی۔

شیر اس کی بات سن کر بہت خوش ہوا، بولا: تو پھر کیا دوا ملی؟

لومڑی نے کہا: حضور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بھیڑیئے کی پنڈلی میں ایک دانے کے برابر کوئی چیز ہوتی ہے، وہ آپ کے لیے بہت فائدہ مند رہے گی۔ شرط یہ ہے کہ اسے آپ خود نکالیں۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی شیر نے اپنا پنجہ بھیڑیئے کی پنڈلی میں گاڑ دیا اور یوں بے چارہ بھیڑیا لہولہان ہوگیا۔ اس دوران لومڑی خاموشی سے وہاں سے کھسک گئی اور راستے میں بیٹھ کر بھیڑیئے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بھیڑیا اس کے قریب سے گزرنے لگا

تو اس نے دیکھا.....خون اب بھی اس کی پنڈلی سے نکل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر لومڑی نے طنزیہ انداز میں کہا:

اے سرخ موزے والے! بادشاہوں کے پاس جب بیٹھا کرو تو غور کر لیا کرو کہ تمہارے سر اور زبان سے کیا چیز نکل رہی ہے (حیوٰۃ الحیوان)۔

انسان پر اکثر مصیبتیں اس کی زبان کی وجہ سے ہی آتی ہیں۔ عموماً لڑائی جھگڑوں کا آغاز زبان کے غلط استعمال سے ہی ہوتا ہے اور پھر بات بڑھتے بڑھتے بعض اوقات قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے، میاں، بیوی کے مابین طلاق کی نوبت بھی اکثر زبان ہی کی وجہ سے آتی ہے، دوستوں کے مابین دشمنیاں بھی زبان سے ہی جنم لیتی ہیں، قریبی رشتہ داروں میں قطع تعلق حتیٰ کہ ساتھ رہنے والے بھائیوں کے درمیان دیوار بھی زبان کی وجہ سے کھڑی ہوتی ہے، یہاں تک کہ دو ممالک کے مابین جنگ کا سبب بھی اکثر یہی زبان ہوتی ہے۔ غرض زبان وہ دو دھاری تلوار ہے جو جسم کے بجائے روح اور قلب کو زخمی کرتی ہے اور اس کا گھاؤ زندگی بھر نہیں بھرتا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) السام علیکم (تم کو موت آئے) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! (ایسی سختی نہیں) زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ (صحیح بخاری)۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا اور نہ بدگو اور نہ گالی بکنے والا (جامع ترمذی)۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ زیادہ تر فساد اور لڑائی جھگڑے زبان کی بے احتیاطی اور بے باکی سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہ انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی اکثر زبان سے ہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ اس بات کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت گفتگو سے بھی گریز کیا جائے اور جب بھی بات کرے تو خیر کی بات کی جائے ورنہ خاموش رہنے میں ہی عافیت ہے۔ یہ آپ ﷺ کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جس پر آپ ﷺ نے نجات کا دارومدار بتلایا ہے۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے لیکن وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے۔ لو سنو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اچھے طریقے سے نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اور بیت اللہ کا حج کرو..... پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتا دوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے۔ پس آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس کو روکو۔ میں نے عرض کیا: حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے، آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بے باکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی (مسند احمد، ترمذی)۔

گفتگو کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کی

رو سے بعض اوقات انسان کی زبان سے نکلنے والا ایک جملہ اسے جہنم کے کسی گڑھے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اس کی زبان سے ادا ہونے والا کوئی اچھا جملہ بعض اوقات اسے اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے اور اسے جنت کا مستحق بنا کر اس کے درجات کی بلندی کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ عقلمند شخص کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ پہلے سوچتا ہے، پھر بولتا ہے جبکہ بے وقوف بولنے کے بعد سوچتا ہے لیکن اس وقت تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)۔ (جامع ترمذی)۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) تو میں اس کے لیے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی (صحیح بخاری)۔

ہم اگر اپنی روزمرہ کی گفتگو کا جائزہ لیں تو یہ خوفناک نتیجہ برآمد ہوگا کہ عملاً ہم نے ہر حدیث کی مخالفت کی ٹھان رکھی ہے۔ ہماری گفتگو فحش گوئی و دروغ گوئی سے شروع ہو کر غیبت اور الزام تراشی پر ختم ہوتی ہے، ہماری تجارت دھوکے اور بے ایمانی سے شروع ہو کر دغابازی اور جھوٹی قسموں پر ختم ہوتی ہے، دوستوں سے ملاقات گالی گلوچ سے شروع ہو کر منافقت پر اختتام کو پہنچتی ہے، ہمارے دن کا آغاز اہل خانہ کے ساتھ بدکلامی اور اختتام فلمی ڈائیلاگ یا گانوں پر ہوتا ہے، ہماری سیاست جھوٹے وعدوں اور عوام کو بے وقوف بنانے

سے شروع ہوکر وعدہ خلافی اور کہہ مکرنیوں (اپنی بات سے مکر جانے) پر ختم ہوتی ہے، ہماری صحافت مبالغہ آرائی اور ٹیبل اسٹوریوں سے شروع ہوکر بہتان تراشی، بلیک میلنگ اور سراسیمگی پھیلانے پر ختم ہوتی ہے حتیٰ کہ ہماری عبادت نمود ونمائش اور ریاکاری سے شروع ہوکر خودنمائی وخودستائی پر ختم ہوتی ہے۔ الغرض وہ کونسا شعبہ ہے جو زبان کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا ہو؟

زیادہ مرچ مصالحے، مرغن غذائیں اور بد پرہیزی بعض لوگوں کی صحت کا بیڑا غرق کردیتی ہے لیکن زبان کے چٹخارے انہیں اندھا اور بہرہ بنادیتے ہیں اور انہیں ہوش تب آتا ہے جب ڈاکٹر معدے کا کینسر تشخیص کرکے انہیں موت کا پروانہ پکڑا دیتے ہیں۔ یہی حال ہمارا بھی ہے، چٹخارے نے ہمیں زبان کے کینسر میں مبتلا کردیا ہے اور طبیب صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیشگی اس کی ہلاکت خیزی سے بھی آگاہ کردیا ہے لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ دنیا وآخرت کی تباہی تو ہمیں منظور ہے مگر زبان کا چٹخارا چھوڑنا گوارا نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ موت بڑے سے بڑے موذی مرض میں مبتلا شخص کی اذیت کو ختم کردیتی ہے مگر زبان کے کینسر کے نتیجے میں ملنے والی عبرتناک اذیت کا تو آغاز ہی موت سے ہوتا ہے جس کے بعد نہ تو موت ہے اور نہ ہی کوئی طبیب حاذق۔

ٹی وی دیکھنا جائز یا ناجائز

علماء کرام کے فتاویٰ کے مطابق ٹی وی دیکھنا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر حرام ہے:

(۱) ٹی وی میں عموماً اصل کے بجائے فلم آتی ہے جو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور جس مجلس میں تصویر ہو وہاں جانا بھی حرام ہے۔ حدیث میں تصویر والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(۲) عموماً اناؤنسر عورت ہوتی ہے اور عورت کا عکس دیکھنا بھی حرام ہے، خواہ تصویر ہو یا براہِ راست عکس، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اناؤنسر کے علاوہ ٹی وی پر بہت سی عورتیں آتی ہیں جنہیں مرد دیکھتے ہیں اور ٹی وی پر آنے والے مردوں کو عورتیں دیکھتی ہیں، غیر محرم مرد وعورت کا ایک دوسرے کو بلاضرورت شدیدہ دیکھنا حرام ہے۔

(۴) کشتی اور تیراکی اور اس طرح کے کھیل وغیرہ کے مناظر میں ستر کھلتے ہیں اور کسی کے سامنے ستر کھولنا اور کسی کا ستر دیکھنا حرام ہے۔

(۵) موسیقی اور دوسرے فواحش وبے حیائی پر مشتمل نشریات ہوتی ہیں جنہیں سننا اور دیکھنا دونوں حرام ہے۔

(۶) ٹی وی کے مفاسد مذکورہ کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی، فحاشی، بدمعاشی، زنا اور ہر قسم کی بدکاری کا طوفان بپا ہوگیا ہے۔ حتیٰ کہ سگے بھائی، بہن اور باپ

، بیٹی کی آپس میں بدکاری کے واقعات پیش آ رہے ہیں۔

(۷) ٹی وی جیسے آلہ لہوولعب، بے دینی، فواحش ومنکرات کے مرکز پر دینی پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور انہیں اشاعت اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ دین کی سخت بے حرمتی ہے اور مسلمان کیلئے ناقابلِ برداشت توہین ہے۔

ٹی وی میں خبریں سننا بھی ناجائز ہے کیونکہ ٹی وی میں خبریں سنانے والے کی تصویر بھی آتی ہے اور تصویر دیکھنا جائز نہیں۔ یہ خبریں ریڈیو کے ذریعے بھی سنی جاسکتی ہیں۔

ریڈیو میں خبروں سے پہلے ساز بجتا ہے، اس وقت ریڈیو بند کردیں، جب ساز ختم ہو جائے تو خبریں سنیں۔ ساز چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، بہرحال نقصاندہ ہے۔ ساز اور موسیقی کا سننا شرعاً مطلقاً حرام ہے لہٰذا جب موسیقی بجے تو ریڈیو بند کرنا ضروری ہے۔

عورت کی آزادی مگر کس قیمت پر؟

1792ء میں انگلستان کی ایک خاتون میری واس اسٹون کرافٹ نے ایک کتاب لکھی جس میں آزادیٔ نسواں کے نام پر مطالبہ کیا گیا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح آزادی دی جائے، انہیں گھر میں قید کرنے کے بجائے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس سے قبل یورپ میں بھی حیا موجود تھی، عورتیں شتر بے مہار کی طرح نہیں پھرا کرتی تھیں۔ بہرحال مردوں پر مشتمل حکومت نے اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے اسٹون کرافٹ کے مطالبے کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے عورتوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا شروع کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں پر خاندانی نظام ختم ہوگیا، اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا، عورت کا تقدس ختم ہوگیا اور وہ فقط دل بہلانے کا ایک کھلونا بن گئی جبکہ گھر گھر نہ رہا، سرائے بن گیا جہاں یکے بعد دیگرے گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

آج مادی وسائل کے اعتبار سے اہل مغرب دنیا میں پہلے نمبر پر ہونے کے باوجود سکون جیسی دولت سے محروم مشینی انسان بن چکے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ہفتہ بھر پیسہ کمانا اور ویک اینڈ پر اسے بھرپور عیاشی میں صرف کردینا ہے۔ وہی برطانیہ جہاں 1792ء میں آزادیٔ نسواں کی تحریک چلی تھی، وہاں کی عورتیں آج اس آزادی سے تنگ آچکی ہیں۔ چند سال قبل وہاں ایک سروے کیا گیا جس میں عورتوں سے پوچھا گیا کہ آپ واپس گھر جانا چاہتی ہیں یا اسی طرح ''آزاد'' رہ کر کام کرنا چاہتی ہیں تو 98 فیصد عورتوں نے جواب دیا کہ ہم واپس ''گھر'' جانا چاہتی ہیں لیکن

ہمیں خاوند نہیں ملتے، باپ نہیں ملتے، بھائی نہیں ملتے جو ہماری حفاظت کرسکیں، کفالت کرسکیں لہٰذا آج یورپ کی عورت چاہنے کے باوجود گھر واپس نہیں جاسکتی مگر حیرت انگیز طور پر مغرب کی عورت کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے مشرق کی عورت گھر سے باہر نکلنے کے لئے بے چین ہے۔

ایک جماعت تبلیغ کے لئے انگلینڈ گئی.....ایک انگریز لڑکی نے مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کر نکلنے والے ایک نوجوان سے پوچھا: انگلش آتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں آتی ہے۔لڑکی نے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہم نے اپنے رب کی عبادت کی ہے۔لڑکی نے کہا کہ آج تو اتوار نہیں ہے۔نماز پڑھنے والے نے کہا کہ ہم دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں.....وہ کہنے لگی کہ یہ تو بہت زیادہ ہے۔ پھر نوجوان نے اسے دین کے حوالے سے بات سمجھائی۔کہنے لگی: اچھا ٹھیک ہے..... پھر ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھایا تو اس نوجوان نے کہا کہ میں اپنا ہاتھ آپ کو نہیں لگا سکتا۔اس نے حیرت سے پوچھا: کیوں؟ تو نوجوان نے جواب دیا کہ یہ ہاتھ میری بیوی کی امانت ہے، یہ صرف اسے چھوسکتا ہے، اس کے سوا کسی اور کو نہیں چھوسکتا۔اس لڑکی کی چیخ نکل گئی اور روتی ہوئی زمین پر گر گئی، کہنے لگی کہ کتنی خوش نصیب ہے وہ عورت جس کا تو شوہر ہے.....کاش یورپ کے مرد بھی ایسے ہوتے!

آج دنیا بھر میں آزادیٔ نسواں کا فریب دے کر عورت کو بے وقوف بنایا جارہا ہے۔اس پر دہری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے، ملازمت بھی کرے اور پھر گھر آ کر گھر کے کام بھی کرے، بچے بھی پالے، وہ اپنے گھر کی جن ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی ان سے تو جان نہ چھوٹ سکی البتہ ذمہ داریاں مزید بڑھ گئیں۔گھر میں کچن کے کاموں سے تنگ تھی باہر نکلی تو جہازوں، ہوٹلوں میں، ایئر ہوسٹس، ویٹرس بن گئی،

شوہر کی تابعدار رہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی اب دفتر میں اپنے باس کو یس سر یس سر کہتے نہیں تھکتی، اپنے بچے پالنے، ان کے پوتڑے دھونے کو دقیانوسیت سمجھتی تھی اب بے بی ڈے کیئر سینٹر میں صبح سے شام تک یہی کام کرتی ہے، شوہر کی خدمت کرنے اور اس کیلئے لبوں پر تبسم سجانے میں توہین محسوس کرتی تھی اب اسپتالوں میں دن رات مریضوں کی خدمت کرتی ہے اور دکانوں پر سیلز گرل بن کر ہر لحہ مسکراہٹیں بکھیرتی رہتی ہے، گھر میں شوہر کی ڈانٹ ڈپٹ کو عورت کی تذلیل سمجھتی تھی اب دفتر میں بلاقصور ڈانٹ کھا کر بھی سوری کہہ کر خاموش ہوجاتی ہے اور ان سب ''قربانیوں'' کے باوجود اس کی معاشرے میں حیثیت کیا ہے؟ فقط مردوں کے دل بہلانے کا ایک کھلونا، ایک شوپیس، ایک سیکس سیمبل، ڈسپوزیبل تھنگ اور ایک ٹشو پیپر!

خالق کائنات نے مرد و عورت کو جسمانی ساخت، قوت اور عقل سمیت ہر لحاظ سے انفرادیت بخشی ہے، عورت کو نرم و نازک اور کمزور بنایا کیونکہ اس نے ڈھائی من کی بوری سر پہ نہیں اٹھانی، اس نے بڑی بڑی مشینیں، جہاز اور ٹرینیں نہیں چلانی، اس نے سڑکیں نہیں کھودنی، اس نے عمارتیں نہیں تعمیر کرنی۔اللہ تعالیٰ نے عورت کو عقل اس کی ضرورت کے مطابق دی کیونکہ اسے کاروبار نہیں کرنا، کاروبار حکومت نہیں چلانا، دشمن کے خلاف جنگی تدابیر نہیں اختیار کرنی، اس کے فرائض گھر تک محدود ہیں۔اس نے گھر پہ کھانا پکانا ہے، آٹے کی بوری سر پہ نہیں اٹھانی، اس نے کپڑے دھونے ہیں واشنگ مشین کو اٹھا کر نہیں پھرنا اس لئے اسے صنف نازک بنایا۔اس نے بچوں کی پرورش اور تربیت کرنی ہے لہٰذا اللہ نے اسے اتنی عقل سے نوازا ہے کہ وہ بچے کے رونے سے سمجھ جاتی ہے کہ وہ بھوکا ہے، اس نے پیشاب کیا ہے، اسے سردی یا گرمی لگ رہی ہے، اس کے پیٹ میں درد ہے یا پھر اسے ممتا کی طلب ہے، اسی طرح اس کے دماغ کے کمپیوٹر

میں محفوظ ہے کہ کس کھانے میں کون کونسے مصالحے ڈالنے ہیں، کتنی مقدار میں ڈالنے ہیں، انہیں کتنی دیر تک پکانا ہے اور کتنے لوگوں کے لئے کس قدر کھانا کافی ہوگا؟ الغرض گھر کا نظام چلانے کے لئے جتنی عقل، طاقت، ہمت، تحمل اور صلاحیت کی ضرورت ہے وہ رب کائنات نے اسے عطا فرمادی ہے جس میں مرد اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

آج باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت ہمارے ذہنوں میں یہ بٹھایا جارہا ہے کہ جب تک یہاں کی عورتیں باہر نہیں نکلیں گی، انہیں ہر طرح کی آزادی نہیں دی جائے گی اس وقت تک یہ معاشرہ ''ترقی یافتہ'' نہیں بن سکتا۔ عورتوں کو بھی ورغلایا جارہا ہے کہ کب تک گائے، بکری کی طرح ایک کھونٹے سے بندھی گھر میں قید رہوگی؟ کب تک مرد کی محکوم رہوگی؟ اس پسماندہ طرز زندگی سے نجات حاصل کرکے دنیا کی رنگینیاں دیکھو، مرد کے شانہ بشانہ چلو، ہر میدان میں ترقی کرکے یہ ثابت کردو کہ عورتیں کسی طور بھی مردوں سے کم نہیں ہیں۔

یہ فارمولہ پیش کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تو غیر مسلم ہیں۔ ان کا نہ تو شرم وحیا سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی وہاں بوائے فرینڈ بنانا کوئی معیوب بات ہے لیکن ہم جس مذہب ومعاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اس میں تو سب سے قیمتی چیز ہی شرم و حیا اور ناموس ہے۔ کیا یہاں کا کوئی بھی باپ، بیٹا، بھائی یا شوہر یہ برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی بیٹی، ماں، بہن یا بیوی کسی اور کی گرل فرینڈ بنے؟ جبکہ یہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی آزادی دینے کا منطقی نتیجہ ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عورتوں کو شتر بے مہار کی طرح آزادی تو دے دیں مگر اس کے منطقی نتیجے سے محفوظ و مامون رہیں، ہم اپنی عزت کو دفاتر، بازاروں اور محفلوں کی رونق بھی بنادیں اور کوئی انہیں نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے؟

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ یہاں مائیں فاقہ کشی سے تنگ آکر اپنے بچوں سمیت خودکشیاں کررہی ہیں، بڑے بڑے زمینداروں نے انہیں قرض کے بدلے گھر کی لونڈی بنا کر رکھا ہوا ہے، جاگیردار اور وڈیرے سرعام ان کی عزت لوٹ رہے ہیں' معاشرے کے مختلف طبقے ان پر جنسی تشدد کررہے ہیں مگر اس تمام صورت حال کے باوجود فقط عورتوں کے نام پر قائم ہونے والی این جی اوز نے بھی آنکھیں بند کررکھی ہیں، انہیں کہیں بھی عورت کا استحصال اور اس کے حقوق متاثر ہوتے نظر نہیں آرہے مگر جونہی کوئی لڑکی اپنے خاندان والوں کے منہ پر کالک مل کر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہوجاتی ہے تو یہ این جی اوز اس کے دفاع کیلئے میدان میں کود پڑتی ہیں اور عورت کے حقوق کی جنگ لڑنا شروع کردیتی ہیں کیا یہ واقعات بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟

عورت کے معنی ہی چھپی ہوئی چیز کے ہیں۔ رب کائنات نے اسے شمع محفل نہیں بلکہ چراغ خانہ بنایا ہے، اسی کے دم سے گھر میں روشنی ہے، عورت کے دم سے ہی گھر کی رونق ہے۔ خدارا! دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اپنے گھر کو برباد مت کیجئے، اپنے بچوں کو ممتا سے محروم مت کیجئے، انہیں نوکروں اور بے بی ڈے کیئر سینٹرز کے رحم وکرم پر مت چھوڑئے۔ آزادی کے گھوڑے پر سوار سونے کی بنی ہوئی اس سڑک پر مت دوڑیئے جس کا انجام خوفناک گڑھے پر ہوتا ہے یا جان لیوا دلدل پر!

کون سی ماں اور کہاں کی جنت؟

ماں نے بچے کو مکتب میں داخل کرایا۔ استاد نے کہا کہ بیٹا پڑھو، الحمدللہ رب العالمین، بچہ کہہ رہا کہ استاد جی یہ تو مجھے آتا ہے بلکہ مجھے تو چودہ پارے آتے ہیں۔ میں تو ''سبحٰن الذی اسریٰ'' سے پڑھوں گا۔ استاد حیران رہ گیا کہ اتنا چھوٹا سا بچہ، اسے چودہ پارے کیسے آ گئے اور وہ بھی صرف ناظرہ نہیں بلکہ حفظ کئے ہوئے ہیں۔ استاد نے بچے کی ماں کو بلوایا۔ اس سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ کہتا ہے کہ مجھے چودہ پارے حفظ ہیں، اتنی سی عمر میں اس نے یہ کیسے حفظ کر لئے؟ اس کا استاد کون ہے؟ ماں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چودہ پارے حفظ تھے لہٰذا جب میں اسے دودھ پلاتی تو پہلے وضو کرتی پھر دودھ پلاتی اور اس دوران تلاوت بھی کرتی رہتی لہٰذا اس طرح اسے چودہ پارے زبانی یاد ہو گئے۔ اس عظیم ماں کا یہی بیٹا جب بڑا ہوا تو پیران پیر، امام الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہلایا۔

یہ ان بھلے وقتوں کی باتیں ہیں جب مائیں قرآنی صفات والی ''مومنات'' ہوا کرتی تھیں، جب ایمان ان کی جان، تقویٰ ان کی پہچان، شرم و حیا ان کا زیور، صبر و قناعت ان کا اوڑھنا بچھونا، شکر و ذکر ان کی گفتگو، خدمت ان کی عادت اور حیا ان کی چادر ہوا کرتی تھی، ایسی مائیں طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور ٹیپو سلطان جیسے مجاہد پیدا کیا کرتی تھیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد اور امام ابو یوسف (رحمہم اللہ) جیسے آئمہ کو جنم دیا کرتی تھیں، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ جیسے محدثین کو پروان چڑھایا کرتی تھیں، بوعلی

سینا، ابن الہیثم، جابر بن حیان اور رازی جیسے سائنس دان تخلیق کیا کرتی تھیں، شاہ ولی اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اشرف علی تھانوی (رحمہم اللہ) جیسے علماء کرام امت کو دیا کرتی تھیں، شیخ عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء، جنید بغدادی، بایزید بسطامی اور امام غزالی (رحمہم اللہ) جیسے تصوف کے اماموں کی پرورش کیا کرتی تھیں اور عمر بن عبدالعزیز، ہارون رشید، سلطان محمود غزنوی، حیدر علی اور جہانگیر جیسے حکمران تیار کیا کرتی تھیں۔

آج صورتحال بالکل اس کے برعکس ہے۔ مائیں بچے کو دودھ پلانے سے پہلے وضو کیا کریں گی وہ تو نماز تک نہیں پڑھتیں، دودھ پلاتے وقت تلاوت اور ذکر و اذکار کرنے کے بجائے یا تو گانے گنگناتی رہتی ہیں یا پھر ٹی وی پر فلمیں، ڈرامے اور گانے دیکھتی اور سنتی رہتی ہیں حتیٰ کہ بھارتی ڈراموں کے ذریعے اس معصوم شیر خوار بچے کے کانوں اور ذہن کو ہندوؤں کے بھجن اور رام و بھگوان کے ناموں سے آلودہ کرتی ہیں، بچے کو کوئی بھی کام شروع کرنے کے موقع پر بسم اللہ کے بجائے ''ون ٹو تھری ریڈی'' سکھاتی ہیں، دوسروں کی جانب سے اچھے برتاؤ پر جزاک اللہ کے بجائے ''تھینک یو'' سکھاتی ہیں، کوئی بات ناگوار گزرنے اور پریشانی کی بات سننے پر ''انا للہ'' کے بجائے ''اوشیٹ'' اور ''او! سوسیڈ'' سکھاتی ہیں، سلام کی جگہ ''گڈ مارننگ'' اور ''گڈ ایوننگ'' سکھاتی ہیں حتیٰ کہ اپنے رب کا پیارا پیارا نام اللہ سکھانے کے بجائے ''گاڈ'' سکھاتی ہیں اور غیر مسلموں کی تہذیب سکھانے کے بعد انتہائی فخر سے کہتی ہیں ''میری بیٹی ڈانس بہت اچھا کرتی ہے، بیٹا ذرا آنٹی، انکل کو ڈانس کر کے دکھاؤ''۔ ایک خاتون کو تو یہاں تک کہتے سنا کہ ''ماشاء اللہ! ہمارے خاندان کی ساری لڑکیاں ڈانس بہت اچھا

کرتی ہیں'' اللہ کی پناہ! اور خود ان ''ماؤں'' کا یہ حال ہے کہ رات کو ٹی وی پر فلمیں، ڈرامے دیکھتے دیکھتے سو جاتی ہیں اور صبح اٹھتے ہی گانے لگا دیتی ہیں اور پھر گھر کے سارے کام موسیقی کی ردھم پر کرتی ہیں، لباس ایسا زیب تن کرتی ہیں کہ ''لاکھ کہیں کہ ہے مگر نہیں ہے'' فیشن کی اس قدر دلدادہ ہیں کہ سودا خریدنے بازار بھی جائیں گی تو دس منٹ کی خریداری کے لئے ایک گھنٹہ میک اپ کریں گی اور پھر وہاں جا کر دکانداروں سے ہنسی مذاق الگ کرتی ہیں، فرائض کی پروا نہیں، واجبات کا علم نہیں اور سنتوں سے دلچسپی نہیں، پردہ ترک کئے تو زمانہ گزر گیا اور بے پردگی سے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہوئے بے لباسی کی منزل سر کرنے جا رہی ہیں، اکثر خواتین کا یہ حال ہے کہ وہ ملازمت آزادی حاصل کرنے، فیشن کا شوق پورا کرنے اور ''دوستیاں'' کرنے کے لئے کرتی ہیں جن کی وجہ سے وہ خواتین بھی بدنام ہوتی ہیں جو کسی مجبوری کے تحت ملازمت کرتی ہیں۔

ماں کی گود دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ جو بچہ اس گود سے کامیابی کی ڈگری لے کر نکلتا ہے وہ دنیا کے کسی بھی میدان میں ناکام نہیں ہوتا۔ تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے اور کسی بھی فیلڈ میں اپنی صلاحیتیں صرف کرنے کا طریقہ سکھاتی ہے جبکہ تربیت اسے انسانیت سکھاتی ہے۔ آج کی مائیں اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم تو دلوا رہی ہیں مگر وہ خود بھی اچھی تربیت سے محروم ہیں اور اپنے بچوں کو بھی محروم رکھ رہی ہیں جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ایسی ماؤں کے بچے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مسیحا بننے کے بجائے ڈاکو، لٹیرے بن جاتے ہیں، ان کی آنکھوں کے سامنے قیمتی انسانی جان ضائع ہو رہی ہوتی ہے مگر وہ اپنی بھاری بھرکم فیس کا انتظام ہونے سے پہلے اسے ہاتھ تک نہیں لگاتے، استاد بنتے ہیں تو ان کی

نظریں بچوں کے مستقبل کے بجائے ٹیوشن پر لگی رہتی ہیں، تاجر وصنعت کار بنتے ہیں تو ملاوٹ، بے ایمانی، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے ذریعے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں، حکمران بنتے ہیں تو عوام کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس کر ان کا سودا کر کے بیرون ملک فرار ہو جاتے ہیں، سرکاری ملازم بنتے ہیں تو رشوت کا بازار گرم کر دیتے ہیں، سرمایہ دار بنتے ہیں تو غریبوں کو غلام بنا لیتے ہیں اور منصف بنتے ہیں تو انصاف کی قیمت مقرر کر کے اسے ''انمول'' کر دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آج کی مائیں رات دن ایک کر کے اپنے بچوں کو ''ہائی کوالیفائیڈ'' بنا کر پیسوں کی مشین تو بنا دیتی ہیں مگر اسے انسانیت کے بنیادی درس سے محروم رکھ کر اچھا انسان بلکہ انسان نہیں بننے دیتیں۔

پوری دنیا کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہر سال ماؤں کا عالمی دن منایا جاتا ہے کیونکہ آج مغرب اور مغرب زدہ اقوام نے ماں کو بھی ''تہوار'' کا درجہ دے دیا ہے لہٰذا جس طرح کوئی بھی تہوار سال میں ایک مرتبہ منایا جاتا ہے اسی طرح ماؤں کا دن بھی سال میں ایک مرتبہ منایا جاتا ہے۔ اس دن ماں سے محبت کا اظہار، ملاقات، فون، میسج یا تحائف پیش کئے جاتے ہیں اور پھر باقی 364 دن کون سی ماں اور کس کی ماں؟ مغربی عوام تو مادیت پرست ہیں، ان کی نظر میں کوئی بھی چیز اسی وقت تک اہمیت رکھتی ہے جب تک وہ ان کے لئے مفید ہو بصورت دیگر وہ اسے ڈسٹ بن کی نذر کر دیتے ہیں، ماں باپ، بہن بھائی، بیٹا بیٹی وغیرہ وغیرہ یہ سب جذباتی باتیں ہیں جو کیپٹلزم کے دلدادہ عوام کی نظر میں وقت کا ضیاع اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ وہ چونکہ خود کو ڈارون تھیوری کے مطابق بندروں کی اولاد سمجھتے ہیں لہٰذا ان کا نظام بھی حیوانی ہے کہ بچوں کو جانوروں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا کر دو اور پھر انہیں بھول جاؤ جبکہ اسلام

کی تعلیمات اس قدر جامع ہیں کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ''مدر ڈے'' اور ''فادر ڈے'' منانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور جنت ماں کے قدموں تلے ہے لہٰذا وہ ایک لمحے کے لئے بھی باپ کو ناراض کر کے رب کائنات کو ناراض کرنے کی حماقت نہیں کر سکتے اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی ماں کو خفا کر کے جنت سے محرومی برداشت نہیں کر سکتے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو بندر کے بچے بنانے کے بجائے انسان بنایا جائے، انہیں دینی تعلیم سے آراستہ کیا جائے، انہیں اخوت اسلامی اور انسانیت کا درس دیا جائے، ایک دیندار مسلمان ہی اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے کہ جنت میری ماں کے قدموں تلے ہے بصورت دیگر وہ یہی کہے گا کہ ''کون سی ماں اور کہاں کی جنت''؟

دنیا اور آخرت کی زندگی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو زندگیاں عطا کی ہیں۔ ایک دنیا کی زندگی جو کہ مختصر ہے، جہاں سے اس کو واپس لوٹ کر جانا ہے، دوسری آخرت جو کہ لامحدود زندگی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی، جس کا اس دنیا کی زندگی سے کوئی موازنہ نہیں ہے، پھر بھی مثال کے طور پر دنیا کی زندگی پانی کا ایک قطرہ اور آخرت کی زندگی دنیا کے سارے سمندروں کا پانی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہ دنیا کی زندگی اتنی عارضی ہے کہ پہلے سانس کے بعد اگلے سانس کا علم نہیں کہ ایک سانس کے بعد دوبارہ سانس آئے یا نہ آئے، رات سونے کے بعد دنیا میں اُٹھے یا قبر میں۔ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۰۰ سال بھی ہو تو اُس کا بھی آخرت کے اربوں، کھربوں سال کی لامحدود زندگی سے کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ کا غلام وہ ہوتا ہے جو ہر حال میں اپنے آقا کا حکم مانتا ہے، اُس کے احکامات اور نبی پاک ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

جس شخص کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے، وہ اُس کا باغی ہے، اُس کی زندگی کے طور طریقوں میں یہود و نصاریٰ، غیر مسلموں سے مشابہت ہے اور اس کی زندگی میں ان کے طور طریقے رواج پا گئے ہیں۔ وہ ناچ گانا، تصویر کشی اور بے پردگی کے جرائم بھی کر رہا ہے اور اُن میں پوری دلچسپی رکھتا ہے۔

ہماری وقتی (دنیا) اور ابدی (آخرت) کی زندگی کے تمام مسائل کا حل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی پیروی، دین کو سربلند اور اونچا کرنے اور پھیلانے میں ہے۔ جس طریقے پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سرانجام دیا ہے، اس میں ہم کو پوری کوشش اور محنت کرنی چاہیئے اور اس میں اپنی جان، مال اور وقت لگانا چاہیے۔ ہم دین کو پھیلانے میں جتنی محنت کریں گے، جتنا خلوص ہوگا اسی قدر ہدایت کا نور ملے گا، اس میں جتنا آگے بڑھیں گے اتنی ہی ترقی ہوگی اور آپ اللہ تعالیٰ کو سنتا اور کرتا دیکھیں گے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو جائیگی۔ آخر کار آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بن جائیں گے اور درحقیقت یہی اصل کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقی کامیابی سے ہم کنار فرمائے، آمین۔

دینِ اسلام اور کلمہ

اللہ سبحانہ تعالیٰ اِس پورے کائنات کے خالق ہیں، اس کے تنہا مالک ہیں اور یہ زمین اُن کی ملکیت ہے۔ اس لئے اس میں رہنے والے انسانوں کے نظام کو چلانے کیلئے حکم اور مرضی بھی اُن ہی کی ہوگی۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی قانون جو کہ اس سے ٹکراتا ہے، متصادم ہے، نہیں چل سکتا۔ اس سے فتنہ فساد پھیل جائے گا اور نظام میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس ضابطہ حیات کے لئے مالکِ کائنات نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا قیمتی دین شریعت، قانون، کلمہ دے کر اِس دنیا میں بھیجا کہ وہ اِس دین کو اللہ کی زمین پر انسانیت کی دین و دنیا کی کامیابی و بقاء کے لئے قائم کریں، اس کی دوسروں کو دعوت دیں، اِس کو پھیلائیں جو کہ سب سے اونچا کام ہے۔ کلمہ کو سربلند اور اونچا کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بڑائی بیان کریں۔

کلمہ میں مسلمان نے اقرار کیا ہے کہ وہ زندگی اِس کے مطابق گزارے گا اِسی لئے اس پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اِس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور پھیلائیں یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے ہونے کا یقین اور مخلوق سے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم خیر امت ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔ یہ ہم پر فرض ہے، جو دین نبی پاک ﷺ لے کر آئے ہیں ہم اُن کے نمائندے اور اُمتی ہیں۔ اِس کو ہم لوگوں تک پہنچائیں اور پھیلائیں تاکہ لوگوں میں جوڑ پیدا ہو، ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد، خدمت کرنے والے اور ایثار و

قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ یہی ہمارے دین کا مقصد ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں اور معاشرے میں امن قائم ہو۔ ہمارے تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ہونے چاہئیں۔

ہر حاکم خواہ کسی بھی درجہ یا سطح پر ہو، گھر سے لے کر سربراہِ مملکت تک، وہ اپنے تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق کرے۔ شریعت کا نظام نافذ العمل ہو، اِس کے لئے ہم اپنی پوری کوشش کریں۔ سودی لین دین، بے حیائی پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور دوسرے معاملات بھی دین کے مطابق ہونے چاہئیں۔

جو شخص اِس دین کو پھیلانے کو اپنا فرض نہیں سمجھتا اور اِس کے زندگی کے طور طریقے اِس کے خلاف ہیں، وہ نبی پاک ﷺ کا اُمتی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ راہِ راست اختیار کرے۔

ایک دوسرے کی خیر خواہی

آج ہمارے معاشرے کی زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہونے کے بجائے بدخواہ بنے ہوئے ہیں اور ہم اخلاقی دیوالیہ پن کی اس انتہا تک پہنچ چکے ہیں کہ ہماری بھرپور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اگر دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے تو کم از کم اسے فائدہ بھی نہ پہنچنے دیں، یہی سبب ہے کہ ہر شخص دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگا ہوا ہے گویا کہ وہ اس کا مسلمان بھائی نہیں بلکہ بدترین دشمن اور کافر ہو جبکہ اسلام تو کفار کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ترغیب دیتا ہے اور تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب اسلام کے ازلی دشمن کسی مسلمان کے حسن سلوک اور انسانیت کے ساتھ اس کی محبت و خیر خواہی کو دیکھ کر ایمان لے آئے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اتنی خیر خواہی اور حسن سلوک پر بھی آمادہ نہیں ہوتے جتنا کہ بحیثیت انسان ایک غیر مسلم کا حق ہے؟

اجتماعی طور پر ہمارا یہ رویہ حسد، بغض، کینہ، تعصب اور باہمی نفرت کے ساتھ ہماری خود غرضی اور مفاد پرستی کا آئینہ دار ہے یہی وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے مصیبتیں کھڑی کر رہے ہیں اور جس طرح بعض باطل مذاہب کے پیروکار اپنے مخالفین کو اذیت دینا کارِ خیر سمجھتے ہیں اسی طرح ہم نے بھی شاید ایذا رسانی کو ثواب تصور کر لیا ہے جبکہ اپنے مسلمان بھائی کو ایذا پہنچانا حرام ہے بلکہ اس کی تکلیف و مصیبت پر خوش ہونا اس قدر سنگین جرم ہے کہ ایسا شخص مرنے سے پہلے خود بھی اس پریشانی میں ضرور مبتلا ہوتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص دوسروں کی راہ میں کانٹے بچھانے میں مصروف ہے جبکہ خود گل و گلزار کا متمنی ہے جبکہ یہ قدرت کے اصولوں کے بھی خلاف ہے اور منطقی طور پر بھی ناممکن۔ ہر شخص اصلاح معاشرہ کا متمنی بلکہ بہترین مبلغ ہے مگر عمل کے موقع پر وہ خود کو بھول جاتا ہے اور اسی دوغلے پن کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے رحمت کے بجائے مصیبت کا باعث بن رہے ہیں۔